10-12-09

U57237

tle - SAR CHASHMA-E-MAZAHIB KI PAIMAISH

eator - Padri J. Maklain.

blisher - Matba Israr (Allahabad).

ate - 1917.

Pages - 901

ubjects - Mazahib - Tuqaabli Mataléa

سرچشمۂ مذاہب کی پیمائش

مصنفۂ

پادری سی جے سکلین صاحب پاسٹر ٹین پوری چرچ

در جواب

ب سرچشمۂ مذاہب مصنفۂ بابو گنگا پرشاد صاحب

ایم۔ اے۔ ایم۔ آر۔ ایس

۱۹۱۸ء

در مطبع اسرار کریمی واقع الہ آباد مطبوع گردید

باہتمام منشی عبدالکریم صاحب منیجر

اول ۵۰۰ جلد

سرچشمۂ مذاہب کی پیمایش

یعنی

بابو گنگا پرشاد صاحب ایم-اے-ایم-آر-ایس کی کتاب سرچشمۂ مذاہب کے چند حصّوں پر ریویو

بابو صاحب موصوف جو کسی وقت میرٹھ کالج میں انگریزی اور منطق کے پروفیسر رہ چکے ہیں اور بعد کو اضلاعِ متحدۂ آگرہ اور اودھ میں پراوِنشل سِول سروِس کے عہدہ پر سرفراز تھے زیرِ ریویو کتابِ مذکورہ بالا کے مصنف ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ بابو صاحب ایک لائق آریہ ہیں اور اپنی تحقیقات میں انہوں نے زمانۂ حال کے محققین کے قدم پر چلنے کی کوشش کی ہے۔

اِس کتاب میں پانچ باب ہیں۔ پہلے باب میں آپ

کا یہ دعویٰ ہے کہ محمدی مذہب زیادہ تر یہودی مذہب
پر مبنی ہے اور دُوسرے باب میں آپ نے یہ ثابت کرنے کی
کوشش کی ہے کہ مسیحی مذہب کچھ یہودی مذہب پر
اور کچھ بُدھ مذہب پر مبنی ہے۔ تیسرے باب میں یہ دِکھلاتے
ہیں کہ بُدھ مذہب وید پر مبنی ہے۔ چوتھے باب میں
آپ کی توجّہ اِس امر پر مبذول ہوئی ہے کہ یہودی مذہب
زرتشتی یا پارسی مذہب پر مبنی ہے۔ پانچویں باب میں یہ
ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پارسی مذہب وید پر مبنی ہے۔
بابو صاحب موصوف جن یورپ کے محققین سے
اقتباسات پیش کرکے نتیجہ نکالتے ہیں وہ ہرگز ثبوت
کے درجہ تک نہیں پہنچتے۔ آپ کی دلیل یہودی مذہب کے پارسی مذہب پر
مبنی ہونے کے ثبوت میں یہ ہے کہ یہودیوں اور پارسیوں
کے مذہبی اصول اور فروع کی باتیں آپس میں مِلتی جُلتی ہیں
اسلئے ضروری ہے کہ یہودیوں نے اُن باتوں کو پارسیوں سے
سیکھا ہوگا۔ چُنانچہ آپ اپنی انگریزی کتاب کے صفحہ ۶۵ پر
یوں فرماتے ہیں کہ "ہمارے نزدیک کافی شہادت موجود ہے
کہ یہودی مذہب زیادہ تر پارسی مذہب پر مبنی ہے۔ ان

دونوں میں اِسقدر یکسانیت پائی جاتی ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک کے خیالات دُوسرے میں داخل ہوتے رہے"۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ "ہم دیکھینگے کہ آیا پروفیسر میکس مولر صاحب اس امر سے انکار کر سکینگے۔ لیکن پروفیسر صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ قبل اسکے کہ اس قسم کے خیالات کی طرف متوجہ ہوں یہ امر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذریعہ یا راہ معلوم ہو جسکے وسیلہ سے یہ خیالات ژندا وستہ سے پیدایش کی کتاب میں یا پیدایش کی کتاب سے ژندا وستہ میں داخل ہوئے"۔ اسکے بعد آپ فرماتے ہیں کہ ایسے ذریعہ یا راہ کا بہت آسانی سے پتہ مل سکتا ہے۔ چنانچہ آپ ایک صاحب ڈاکٹر اسپیجل سے اقتباس کرکے فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر اسپیجل نے اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ زرتشت اور ابراہیم ایک ہی زمانہ میں موجود تھے (یعنی بائبل کے بیان کے مطابق ابراہیم کا زمانہ ۱۹۲۰ سال قبل از مسیح ہے)۔ بائبل کا بیان حضرت ابراہیم کی نسبت یہ ہے کہ وہ حاران کے باشندہ تھے۔ ژندا وستہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ زرتشت آرنیم ویجا میں پیدا ہوا تھا۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر اسپیجل صاحب کا خیال ہے کہ فارسی **آران** محض قدیم نام **آرویجا** کا اختصار یا مخفف ہے۔ پھر آپ یہ دکھلاتے ہیں کہ میکس مولر صاحب بھی اس آران کو تسلیم کرتے ہیں مگر صاحب موصوف لفظِ آران اور حاران میں فرق کرتے ہیں اور ڈاکٹر اسپیجل کے ساتھ متفق نہیں ہیں کہ حاران ہی آران بن گیا ہے۔ اس لفظی بحث کو ہمنے اس موقع پر بوجوہِ ذیل فضول سمجھکر ترک کر دیا ہے۔

(۱) اسلئے کہ اگر ہم ڈاکٹر اسپیجل کے قیاس کو صحیح مانیں کہ حضرت ابراہیم اور زرتشت دونوں ہمعصر تھے اور وہ بھی محض اس قیاسی بُنیاد پر کہ حاران کا آران بن گیا ہے تو پہلی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ آیا لفظِ حاران پہلے ہے یا آران؟ اگر حاران نامی شہر پہلے موجود تھا تو اُسکا نام آران ضرور پیچھے کسی بعد کے زمانہ میں رکھا گیا ہوگا اور اُسی زمانہ میں زرتُشت پیدا ہوا ہوگا اور معلوم نہیں کہ اس تبدیلیِ نام کو کِسقدر عرصہ لگا ہوگا اور اگر آران پہلے تھا تو ضرور ہے کہ کُچھ عرصہ بعد حاران میں تبدیل ہوا ہو اور اِس طور پر اگر حاران میں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو آران میں زرتُشت

کی پیدائش بھی بعد کو ہوئی ہوگی اور یوں معلوم نہیں کہ حضرت ابراہیم زرتشت سے کسقدر پہلے موجود ہونگے اور اگر آران پہلے ہو تو زرتشت حضرت ابراہیم سے بہت پہلے موجود ہوئے ہونگے۔ پس دونوں کا ہمعصر ہونا باطل ٹھہرتا ہے۔

(۲) اگر ابراہیم اور زرتشت دونوں ہمعصر تھے تو نہ تو ڈاکٹر ہیبچل تے اور نہ ہمارے بابو صاحب نے جو ڈاکٹر صاحب موصوف کی تقلید پر اُترے ہیں اِس امر کو ثابت کیا کہ ابراہیم نے زرتشت سے چند مذہبی خیالات لے لئے یا زرتشت سے ابراہیم سے چند خیالات کے یکساں ہونے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ابراہیم نے زرتشت سے چند مذہبی خیالات اخذ کر لئے سخت غلط بیانی ہے۔ ممکن ہے کہ زرتشت نے ابراہیم سے اخذ کئے ہوں۔ اِسکی نفی کے لئے آپ نے کون سی دلیل پیش کی اور جس حال کہ آپ کا اور ڈاکٹر موصوف کا دعویٰ بے دلیل ہے تو آپ کے نتیجہ کو کون عقلمند تسلیم کریگا؟

(۳) یہ بھی ممکن ہے کہ قدیم زمانہ سے اس قسم کی روایات بزرگوں سے چلی آتی ہوں جنکو دونوں کے بزرگوں نے کسی خاص وقت میں پہلے یا پیچھے یا ایک ہی وقت میں

معلوم کیا ہو اور اپنی اپنی مذہبی کتابوں میں درج کیا ہو اور اس طور پر نہ ابراہیم نے زرتشت سے سیکھا اور نہ زرتشت نے ابراہیم سے سیکھا ہو۔

(۴) لیکن بابو صاحب! جب ہم یہ ثابت کرینگے کہ ابراہیم اور زرتشت ہمعصر نہ تھے بلکہ حضرت ابراہیم زرتشت سے قریبًا ایک ہزار برس پہلے موجود تھے تو آپ کو تعجب ہوگا۔ لیجئے سُن لیجئے۔ این سائیکلوپیڈیا بریٹنیکا جلد ۲۸ صفحہ ۱۰۴۰ پہلے کالم میں زرتشت کی نسبت یہ بیان مرقوم ہے کہ مائر صاحب قیاس کرتے ہیں کہ زرتشت ایک ہزار برس قبل از مسیح موجود تھا اور اسی طور پر ایک اور مشہور عالم ڈنکر صاحب بھی ہزار برس قبل از مسیح اسکا زمانہ قرار دیتے ہیں پس بابو صاحب ڈاکٹر اسپیجل کا قیاس اِن علما کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ٹھہرتا ہے۔ یہ کتاب جس سے ہمنے اقتباس کیا ہے وہ کتاب ہے جسکے نام نامی سے ہندوستان کے کُل انگریزی تعلیم یافتہ واقف ہیں اور یہ گیارھویں مرتبہ ۱۹۱۱ء میں طبع ہوئی ہے۔ ہمارے ناظرین اور بابو صاحب موصوف اس امر کا لحاظ رکھیں کہ اگر ڈاکٹر اسپیجل یورپ کے منتخب علما میں

سے ہوتے تو اُنکا نام بھی این سائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے مصنفین کی فہرست میں درج ہوتا یا اُنکو مستند علما میں سے ایک عالم مانکر کسی جگہ اُنکی کتاب سے اقتباس کیا گیا ہوتا۔ لہذا ہمارے مذکورہ بالا دعویٰ کی یہ ایک دلیل ہے کہ اُنکی وقعت یورپ و امریکہ کے نامدار علما اور خصوصاً این سائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے مصنفین کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے اور نہ اُنکی کتاب سے کوئی اقتباس کیا گیا ہے۔ لہذا ضرور یہ ڈاکٹر صاحب جنکا قول بابو صاحب اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں عالموں کے درجہ سے کوئی گرے ہوئے شخص ہیں۔

ناظرین اب خیال کیجئے کہ کہاں دو ہزار برس جب حضرت ابراہیم موجود تھے اور کہاں ایک ہزار برس جب زرتشت قبل از مسیح موجود تھے۔ اس زمانہ کے بُعد اور دُوری پر خیال کیجئے اور ڈاکٹر اسپیجل کے قیاس اور وہم پر خیال فرمائیے۔ ڈاکٹر اسپیجل کی تحقیقات تو اس ایک حوالہ سے ظاہر ہو چکی۔ آئندہ اُنکے حوالوں اور تحقیقات پر ہم کہانتک اعتبار کرسکتے ہیں۔ ہم اس امر کو بابو صاحب موصوف اور ناظرین کے انصاف پر چھوڑتے ہیں۔

(۵) بابو صاحب موصوف کا اقتباس خود اُنکے اور اُنکے راوی کے بیان کردہ جغرافیہ کے رُو سے بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اسپیجل فرماتے ہیں کہ ہم ژنداوستہ سے معلوم کرتے ہیں کہ زرتشت آرنیم ویجا میں پیدا ہوئے۔ لیکن نہ صرف پروفیسر میکس مولر بلکہ دیگر علما جو زبان دان ہیں اُنکی یہ رای ہے کہ آرنیم ویجا (جسکے معنی آریوں کا بیج ہے) ضرور فارس کے نہایت ہی مشرقی حصّہ میں واقع ہوگا۔ ہماری رای ہے کہ بلخ کے قریب تھا (یعنی درمیانِ اکسس اور جیگزآرٹس) اور آرنیم ویجا اسواسطے کہلاتا تھا کہ آریوں کا وطن تھا یہاں سے دونوں ہندوستانی اور ایرانی آریہ آئے۔

اب اگر یہ بیان اور قیاس صحیح ہو تو حاران اور آران میں قریباً بارہ ۱۲ سَو میل کا فاصلہ واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ حاران جسمیں حضرت ابراہیم اُور سے آکر کچھ عرصہ تک آباد رہے وہ میسوپوٹامیہ میں دریای فرات کے نزدیک واقع ہے۔ اب یہ بیان نہ صرف ہمارا ہے بلکہ بائبل میں بھی اسی طرح مرقوم ہے جسکی تصدیق اُسی کتاب سے ہو جاتی ہے جسکی معتبری ڈاکٹر اسپیجل کے مقابلہ میں ضرور مسلم ہے۔ چُنانچہ این سائیکلوپیڈیا

برٹینکا جلد اول صفحہ ۷۰ پر یوں مرقوم ہے" تیرح (یعنی ابراہیم کا باپ اپنے بیٹوں سمیت جیساکہ بائبل سے ظاہر ہے) کلدیون کی اُور سے جسے عموماً موکیّر کہتے ہیں اور جو بیبلونیا کے دکھن میں واقع ہے حاران کو گیا جو میسوپوٹامیہ میں واقع ہے"۔

پس اس سے صاف ظاہر ہوا کہ بائبل کا بیان جسمیں حضرت ابراہیم کا حاران کو جانا مندرج ہے اسپر این سائیکلوپیڈیا برٹینکا بھی شاہد ہے اور اِن شہادتوں کے مقابلہ میں ڈاکٹر اسپیجل کا یہ کہنا کہ حاران اور آران دونوں ایک ہی جگہ کے نام تھے کسقدر غلط بیانی پر مبنی ہے - ایک تو میسوپوٹامیہ میں اور دُوسرا فارس یا ایران کے نہایت ہی مشرق میں جنکا درمیانی فاصلہ قریبًا بارہ ۱۲۰۰سو یا پندرہ ۱۵۰۰سو میل ٹھہرتا ہے ہم حیران ہیں کہ ایسے بڑے عالم نے جغرافیہ دانی میں ایسی سخت غلطی کی اور ہمارے بابو صاحب نے بھی اِس قدر لائق و فائق ہوکر آنکھ بند کرکے اُنکے بیان کو مان لیا۔ واہ ری تقلید تیرا بُرا ہو! شاید اپنے مطلب کی بات تھی بابو صاحب نے کچھ خیال نہیں کیا - پس اس سے صاف ظاہر ہوا کہ حضرت ابراہیم اور زرتشت ایک ہی جگہ میں

پیدا نہیں ہوئے بلکہ ان دونوں کی پیدایش کی جگہ میں سیکڑوں میل کا فاصلہ تھا۔

اب آپ کا یہ دعویٰ کہ دونوں ایک ہی جگہ کے رہنے والے تھے اور اسلئے آپس میں خیالات کا تبادلہ ہوتا رہا ہوگا محض ایک وہم اور باطل قیاس پر مبنی ہے۔

(۶) ایک اور امر قابلِ توجہ یہ ہے کہ اگر آران اور حاران دونوں ایک ہی جگہ کے نام ہوتے جیساکہ ڈاکٹر اسپیجل صاحب کا دعویٰ ہے تو آران بھی ضرور میسوپوٹامیہ میں پایا جاتا۔ لیکن اسمتھ صاحب بائبل کی ڈکشنری میں بیان کرتے ہیں کہ" اگرچہ بائبل کے چند قدیم نام تبدیل ہوگئے ہیں مگر لفظِ حاران ہنوز اسی نام سے موسوم ہے۔ اسمیں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی" پھر اسی طور پر این سائیکلو پیڈیا برٹینکا میں بھی مرقوم ہے کہ" حاران اب تک موجود ہے گو بہت برباد ہوگیا ہے۔"

علاوہ بریں ایشیا کے نقشہ میں میسوپوٹامیہ کے اندر ہنوز حاران موجود ہے۔ اگر ہمارے بابو صاحب یا اورکوئی ناظرین دیکھنا چاہیں تو شوق سے ملاحظہ فرمائیں۔ پس اگر حاران آران

میں تبدیل ہوگیا ہوتا تو ہنوز میسوپوٹامیہ میں بجائے حاران آران کیوں نہیں درج کیا گیا؟ لہذا لفظ حاران کا میسوپوٹامیہ میں ابتک پایا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ کبھی آران نہیں بنا۔

(۷) ڈاکٹر اسپیجل کے بیان میں اور این سائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے بیان میں بھی جگہ کے لحاظ سے فرق پایا جاتا ہے اور اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ حاران اور آران دونوں ایک ہی جگہ کے نام نہیں ہیں۔ چنانچہ این سائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے مطابق آران کی نسبت یوں مرقوم ہے "بموجب بیان بندھش ۲۹-۱۲-ایرین ویج ایٹروپیٹین کی جانب واقع ہے اور نتیجتہً ایرنیم ویجو زیادہ تر ضلع آران سے مطابقت رکھتا ہے جو دریای اراس پر واقع ہے اور یہ میدیا کے قریب شمال مغربی حصہ کے سامنے واقع ہے" (صفحہ ۱۱۴۰ جلد ۲۸)۔ اب یہ میدیا کہاں ہے؟ اسکی نسبت این سائیکلوپیڈیا جلد ۱۸ صفحہ ۲۰ میں یوں مرقوم ہے "میدیا ایران کے شمالی و مغربی حصّوں کا قدیم نام ہے میدس کا ملک جو زمانۂ حال میں عراقِ عجم اور کردستان کہلاتا ہے آرمینیا اور نیچی زمین سے دجلہ اور کردستان کے پہاڑوں

کے ذریعہ سے جُدا کیا جاتا ہے۔ اِس سے یہ امر صاف واضح ہے
کہ جدید تحقیقات ڈاکٹر اسپیجل کے بیان کی مخالف ہے اور
اِس تحقیقات کے مطابق بھی حاران اور آران میں قریباً
۹۰۰ میل کا فاصلہ نظر آتا ہے (ایشیا کے نقشہ کو ملاحظہ فرمائیے)
لہٰذا اس سے بھی یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ حاران اور آران
دونوں نہ ایک ہی جگہ پر واقع ہیں اور نہ ایک ہی جگہ کے
نام ہیں۔ لہٰذا ابراہیم اور زرتشت کے خیالات کے تبادلہ کا بھی
کوئی موقع نظر نہیں آتا۔

اب چونکہ ہم مندرجہ بالا بیان میں ثابت کر چکے ہیں کہ
یہودیوں کے مذہبی خیالات کے پارسیوں کے مذہب میں داخل
ہونے کا بہت امکان تھا کیونکہ یہودی مذہب پارسی مذہب
سے پہلے موجود تھا مگر پارسی مذہب کے خیالات کے یہودی
مذہب میں منتقل ہونے کا نہ کوئی راستہ ثابت کیا گیا ہے اور نہ
پارسی مذہب کا یہودی مذہب سے پہلے موجود ہونا ثابت ہوتا
ہے۔ اِسلئے بابو صاحب کے دعویٰ کی تردید کے لئے ہمارے
پیش کردہ دلائل کافی و وافی ہیں لیکن اِس غرض سے کہ
بابو صاحب موصوف کی قابلیت کا اظہار پبلک پر بخوبی ہو جائے

ہم اِس بات کے متعلق کچھ اور بھی ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔
چنانچہ جناب بابو صاحب ڈاکٹر اسپیجل صاحب کا خیال پیش کرتے ہیں کہ انکے خیال میں زرتشت اور ابراہیم ہمعصر تھے اور اس خیال کی اس امر سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ اِن دونوں نبیوں کے چال چلن میں بدرجۂ غایت مشابہت پائی جاتی ہے اور اِسکے بعد ڈاکٹر اسپیجل کے دعویٰ کی تصدیق کے لیئے پروفیسر میکس مولر صاحب سے ذیل کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔"ہم ڈاکٹر اسپیجل کے ساتھ اِس امر میں متفق ہیں کہ زرتشت کا چال چلن بدرجۂ غایت شامی خیال کے نبی کے تصوّر سے مشابہ ہے۔ وہ اُرمزد کے ساتھ شخصی صحبت و ملاقات کے لائق خیال کیا جاتا ہے۔ وہ اُرمزد سے ہر ایک لفظ حاصل کرتا ہے۔ اگرچہ شریعت کا ہر ایک حرف حاصل نہیں کرتا ہے جیساکہ ڈاکٹر اسپیجل کا خیال ہے"۔
ڈاکٹر اسپیجل کا یہ دعویٰ کہ زرتشت اور ابراہیم ہمعصر تھے ہم اپنے مذکورہ بالا دلائل سے باطل ثابت کر چکے ہیں مگر ہمارے بابو صاحب کھینچ تان کر یہاں پر مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اُمید ہے کہ ناظرین اس مغالطہ کو بھی جلد پہچان لینگے۔

(ا) سنئے کہ دو شخصوں کے خیالات اور چال چلن میں مشابہت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دونوں ہمعصر بھی ہوں۔ چاہئے تھا کہ بابو صاحب موصوف ڈاکٹر اسپیجل اور پروفیسر میکس مولر سے شامی خیالات کی مشابہت ابراہیم اور زرتشت یا اور شامی نبیوں کے درمیان پیش کرتے تاکہ مطلب زیادہ صاف ہو جاتا۔ ممکن ہے کہ ایک قوم کے خیالات دوسری قوم میں صدیوں سے بذریعۂ روایت یا کتاب چلے آتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ذریعہ یا راہ نا معلوم ہو۔ مثلاً قانونِ کششِ ثقل سر آئزک نیوٹن نے دریافت کیا اور اسکو موجودہ زمانہ کے علما صحیح قبول کرتے ہیں اور علمِ منطق و فلسفہ زمانۂ سلف کے علما ارسطو و فیثاغورث وغیرہ نے ایجاد کیا جسکو اِس زمانہ کے عالم عمل میں لاتے ہیں لیکن اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اِس زمانہ کے منطقی اور فلاسفر ارسطاطالیس یا سر آئزک نیوٹن کے ہمعصر ہیں اور جس حال کہ ہم اُوپر ثابت کر چکے ہیں کہ ابراہیم زمانۂ حال کے عُلما کی تحقیقات کے رُو سے زرتشت سے ایک ہزار برس پہلے گزرے ہیں تو اس تحقیقات کے رُو سے بابو صاحب کو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ حضرت ابراہیم

یا موسیٰ اور دیگر انبیا کا خیال جو نبی کے متعلّق ہے اور جو شام کی اولاد میں سے گزرے ہیں زرتُشت نے اُن سے کسی ذریعہ سے حاصل کیا ہے اور اِسلئے چال چلن کا خیال شامی نبیوں کے خیال سے مشابہ ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا جیساکہ بابو صاحب موصوف نتیجہ نکالتے ہیں کہ دونوں ہمعصر تھے۔

(۲) پروفیسر میکس مولر صاحب کے اس اقرار سے کہ دونوں کے خیالات میں نبی کے چال چلن کے متعلّق مشابہت پائی جاتی ہے بابو صاحب جو نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں وہ اُنکے اس خیال کی تائید میں کسی طرح سے ممد و معاوِن نہیں ہوسکتا کہ دونوں ہمعصر تھے یا یہ کہ شامی انبیا نے پارسیوں سے کچھ حاصل کیا۔ چنانچہ پروفیسر میکس مولر صاحب لفظِ حاران اور آران کی بحث میں صاف اعتراض کرکے یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ دونوں ایک ہی جگہ کے باشندے نہیں تھے اور نہ فقط سکونت کے اِعتبار سے اُنکے ہمعصر ہونے کی نفی کرتے ہیں بلکہ علاوہ اسکے کتابِ سرچشمۂ مذاہب کے صفحہ ۶۴ میں بابو صاحب موصوف خود ہی

پروفیسر میکس مولر کی نسبت یہ فرماتے ہیں کہ "وہ اس امر کو نہیں مانتے کہ یہودی مذہب نے پارسی مذہب سے کچھ حاصل کیا ہے"۔ چنانچہ بابو صاحب یوں فرماتے ہیں "چند مسیحی علما اس امر کا اقرار کرنے پر راضی نہیں ہیں کہ یہودی مذہب زرتشتی مذہب کا قرضدار ہے۔ اِسکی ایک مثال یہ ہے کہ پروفیسر میکس مولر ڈاکٹر اسپیجل کے اِس دعویٰ کو کہ پیدائش کی کتاب اوستہ سے لی گئی ہے تسلیم نہیں کرتے"

پھر ایک دوسرے مقام پر بابو صاحب فرماتے ہیں کہ میکس مولر صاحب اِس امر کو نہیں مانتے ہیں کہ ڈاکٹر اسپیجل نے اپنے اِس دعویٰ کو کہ یہودی مذہب پارسی مذہب پر مبنی ہے ثابت کیا اور اس باب کے پہلے ہی جملہ میں چلّا اُٹھتے ہیں کہ کاش علما اس علمی تعلیم سے کچھ واقفکار ہوتے اور کم ازکم اِس بات کو سیکھ لیتے کہ کسی امر کا ثابت ہونا کیا ہے اور اُسکی نسبت گمان غالب ہونا کیا ہے۔

(۳) پھر آپ فرماتے ہیں کہ دونوں میں مشابہت اسقدر گہری ہے کہ ڈاکٹر ہاگ صاحب یوں فرماتے ہیں "محمدیوں کی کئی ایک تحریرات اور خصوصاً فارسی لغات میں

زرتشت زردشت کہلاتا ہے اور وہ اور ابراہیم ایک ہی شخص
ہیں"۔ ہم نے بھی فارسی لغات میں دیکھا ہے۔ چنانچہ غیاث اللغات
میں یوں لکھا ہے "زردشت نام مردے از نسلِ منوچہر شاگردِ
فیثاغورث۔ در زمانِ گشتاسپ دعویٰ نبوت کرد و دینِ آتش
پرستی وضع ساختہ و مجوس او را پیغمبر دانند و نامِ او ابراہیم
گویند و کتابِ ژند کہ ساختہء اوست آسمانی دانند و اکثر
اہلِ اسلام او را کاذب دانند مگر سہروردی و شیرازی و دوانی
و صدرالدین و چند علمای دیگر او را نبی و حکیم کامل دانند"
اب اِس اقتباس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ کُل علمای اہلِ
اسلام اِس امر پر متفق نہیں ہیں لہذا یہ ممکن ہے کہ چند
اہلِ اسلام اِس امر میں غلطی پر ہوں۔ علاوہ بریں غیاث
سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مجوسی اسکو ابراہیم کہتے ہیں نہ
یہ کہ اہلِ اسلام اسکو ابراہیم مانتے ہیں۔ اگر اسکا نام ابراہیم
مان بھی لیا جائے تو اِس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ
یہی شخص حضرت اسحٰق اور اسمٰعیل کا باپ ابراہیم تھا۔ مختلف
زمانوں میں مختلف اشخاص ہمنام ہوسکتے ہیں۔ اِس قسم
کی لاکھوں مثالیں موجود ہیں لیکن اِس سے اُنکا ہمعصر
یا فردِ واحد ہونا لازم نہیں ٹھہرتا۔ بابو صاحب کی دلیل بالکل
بے سر و پا ہے "بریں عقل و دانش سزد آفریں"!

غیاث سے اس امر کا بھی پتہ لگتا ہے کہ یہ زردشت فیثاغورث کا شاگرد تھا اور گشتاسپ کے زمانہ میں اسنے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اب فیثاغورث قریباً ۵۸۶ برس مسیح سے پہلے موجود تھا اور گشتاسپ دارا (اول) بادشاہ کا باپ تھا۔ پس اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ اسکا زمانہ زیادہ سے زیادہ مسیح سے ۶۰۰ برس پہلے ہوسکتا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم مسیح سے تخمیناً دوہزار سال پیشتر گزرے ہیں۔ وہ زرتشت کے ہمعصر کیسے ہوسکتے ہیں؟ شاید بابو صاحب اپنی عجیب ریاضی و منطق کے زور سے چھ سو کو دوہزار کے برابر ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں اگرچہ ہم کہتے ہیں کہ این خیالست و محالست و جنون

"ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا!"

ژند اوستہ میں اگر زردشت ابراہیم کہلاتا ہے تو براہ مہربانی آپ پتہ دیں ورنہ یہ ایسی بات ہوگی کہ مدعی سست اور گواہ چست۔ نہ جدید کتابوں این سائیکلو پیڈیا برٹینکا میں اور نہ مورخین کی تاریخ دُنیا میں زرتشت کو ابراہیم قرار دیا گیا ہے۔ ایسی غیر صحیح کتابوں سے حوالہ دینا جنکی تاریخی صحت پر شک ہو اور انکو سند کے طور پر پیش کرنا عوام کو گمراہی میں ڈالنا ہے۔ یہ آپ کی آخری دلیل ہے جنمیں آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ زرتشتی خیالات کے یہودی مذہب میں داخل

ہونے کے ثبوت میں ایک تواریخی واقعہ ہے جو بابل کی اسیری کہلاتا ہے۔ مسیح سے ۵۸۶ سال پیشتر نبوکدنضر فلسطین پر حملہ آور ہوا اور یروشلم کو لے لیا اور بہت سے یہودیوں کو اسیر کرکے بابل کو لے گیا۔ قریباً ایک سو سال بعد خورس بادشاہ فارس نے بابل کی سلطنت کو پسپا کیا اور بعض یہودیوں کو یروشلم میں واپس جانیکی اجازت دی۔ اس موقع پر لوٹ آپہنچے۔ بعد عزرا اور نحمیاہ نے ۴۵۰ سال قبل از مسیح پرانے عہدنامہ کو جمع کیا اور مرتب کیا۔ پس یہودیوں کی نہایت قدیم کتابیں اس وقت لکھی گئیں یا کم از کم پھر مرتب کی گئیں۔ چونکہ یہودی عرصۂ دراز تک زرتشتیوں کے درمیان رہ چکے

اس اقتباس میں بابو صاحب موصوف اگرچہ صاف صاف نہیں کہتے مگر آپ کا تمام زور اس امر پر لگا ہوا نظر آتا ہے کہ یہودیوں نے زرتشتی مذہب کے خیالات کو سیکھ کر یہودی مذہب میں داخل کرلیا اور چونکہ عزرا اور نحمیاہ نے پرانے عہدنامہ کو جمع کیا لہذا پرانے عہدنامہ خصوصاً یسعیاہ کی کتاب میں چند باتیں زرتشتیوں سے سیکھ کر داخل کردیں اور جیسا اوپر ذکر ہوا بابو صاحب خود تو کچھ نہیں کہتے مگر میڈم بلاوٹسکی کو پکڑ کر انکے منہ سے کہلواتے ہیں۔

چنانچہ بالو صاحب فرماتے ہیں کہ میڈم بلیوٹسکی نہ صرف اس خیال کی تائید کرتی ہیں بلکہ اِس سے بھی آگے بڑھ جاتی ہیں کہ موسیٰ کا تمام قصہ ہی بناوٹ ہے یعنی بابل کے بادشاہ سارگن کے قصہ کی محض تقلید یا نقل ہے۔ چنانچہ اسکے بعد آپ میڈم صاحبہ سے اقتباس پیش کرتے ہیں کہ عزرا نے تمام توریت کو از سرِ نو ترتیب دی کیونکہ فرعون کی بیٹی کی کشتی اور دریائے نیل اور لڑکا جو جھاؤ کے ٹوکرے میں بہتا ہوا پایا گیا اُسکا بیان موسیٰ نے یا اُسکے لئے کسی دوسرے نے جمع نہیں کیا بلکہ بابل کے اُن کھپریل کے کتبوں کے ٹکڑوں پر ملتا ہے جن پر بادشاہ سارگن کا قصہ مرقوم ہے اور یہ سارگن موسیٰ سے بہت پہلے گزرا ہے اور اب منطقی نتیجہ اس سے کیا نکلتا ہے؟ نہایت ہی یقینی طور پر ایسا نتیجہ نکلتا ہے جس سے ہمکو اسکے کہنے کا حق حاصل ہوتا ہے کہ جو قصہ عزرا نے موسیٰ کی نسبت پیش کیا وہ اُس نے اُس وقت سیکھا جب وہ بابل میں تھا اور اُسنے اُس بیان کو جو سارگن کی نسبت کیا گیا تھا موسیٰ پر تھوپ دیا۔ القصہ خروج کی کتاب موسیٰ نے نہیں لکھی بلکہ عزرا نے قدیم روایات سے لیکر اُسکو جعلی طور پر از سرِ نو بنایا"۔

اسکے بعد بابو صاحب فرماتے ہیں کہ میڈم موصوف جارج اسمتھ صاحب کی اسوری قدیم روایات سے ذیل کا اقتباس پیش کرتی ہیں۔ "سارگن یعنی بابلی موسیٰ کا پایہ تخت اکّاد کا بڑا شہر تھا جسکو شامی لوگ اکّاد کہتے تھے جسکا ذکر پیدایش ۱۰ باب ۱۰ آیت میں مرقوم ہے اور جو نمرود کا پایہ تخت تھا۔ اکّاد بابل کے شمال میں دریای فرات پر سپورا شہر کے نزدیک واقع تھا۔ دوسری عجیب مطابقت اس امر میں پائی جاتی ہے کہ پاس کے شہر سپورا کا نام وہی ہے جو موسیٰ کی بی بی کا تھا (یعنی زپورہ یا سفورہ)۔ بیشک یہ قصہ عزرا نے چالاکی سے اضافہ کردیا جس سے وہ کسی طرح سے ناواقف نہ تھا۔ یہ عجیب قصہ کینن گگ کے کتبہ کے ٹکڑوں پر پایا گیا ہے جو حسب ذیل ہے:۔

(۱) سارگن طاقتور بادشاہ اکّاد کا بادشاہ میں ہوں (۲) میری ماں شہزادی تھی۔ میں اپنے باپ کو نہیں جانتا۔ میرا چچا ملک پر حکومت کرتا تھا (۳) ازوپران شہر میں جو دریای فرات کے پاس واقع ہے (۴) میری ماں شہزادی حاملہ ہوئی اور مشکل سے اسنے مجھے جنا (۵) اسی نے مجھے جھاؤ کے ٹوکرے میں رکھا اور لفت لگایا (۶) اسی نے مجھے دریا میں ڈالدیا جسنے مجھے نہیں ڈبویا (۷) دریا مجھے آگے تک بہا لے گیا۔

جو پانی بھرتا ہے اُسکے پاس مجھے لے گیا (۸) اکی نے جو پانی بھرنے والا ہے ترس کھاکر مجھے اُٹھا لیا"۔

اسکے بعد بابو صاحب موصوف فرماتے ہیں "اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ذریعہ جسکے وسیلہ سے یہودی پارسیوں سے اُنکے خیالات کو لے سکتے تھے کچھ وقت طلب امر نہ تھا" بیشک خیالات کے تبادلہ کا موقع تو تھا مگر جناب اصل اشخاص جنکے خیالات کے تبادلہ کا شروع میں دعویٰ ہوا تھا اِن میں سے ایک (یعنی ابراہیم) کی نسبت تو یہ امر مسلّم ہے کہ وہ حضرت مسیح سے قریباً دو ہزار برس پہلے گذرے ہیں اور دوسرے شخص (یعنی زردشت) حضرت مسیح سے ایک ہزار برس پہلے جو موجودہ تحقیقات کے رُو سے اوپر ثابت کر آئے ہیں لیکن حضرت عزرا فقیہ کا زمانہ حضرت مسیح سے ۴۵۰ برس پہلے بائبل کے جمع کرنیکا بتایا جاتا ہے پس اصل اشخاص کے خیالات کے تبادلہ کا تو کوئی موقع ہی نہ رہا اور اِسلئے اصل کتابوں میں بھی خیالات کے تبادلہ کے درج کرنیکا کوئی موقع نہ رہا۔ اب رہا یہ امر کہ جب کتابیں لکھی جاچکی تھیں اور صرف جمع کرنا اور ترتیب دینا باقی تھا تو موسیٰ کی توریت جو ولادتِ مسیح سے پندرہ سو برس پیشتر لکھی گئی اور ژنداوستہ مسیح سے ایک ہزار برس پہلے

لکھی گئی ہرگز ہرگز ان اصل کتابوں میں تو خیالات کے تبادلہ کا کوئی وہم و قیاس تک باقی نہیں رہتا اور اگر عزرا فقیہ یا یہودیوں کی اسیری کے وقت یا کسی قدر اُس سے پہلے یہودیوں اور پارسیوں کو آپس میں ملنے جُلنے کا موقع ہوا تو یہ امر زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے کہ پارسیوں نے یہودیوں سے چند خیالات لے لئے اور اسی وجہ سے چند امور میں جو زیادہ تر فروعات کے متعلق ہیں مشابہت واقع ہوئی ہے۔ مگر یہ نتیجہ نکالنا بالکل خلافِ قیاس معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے پارسیوں سے کچھ خیالات لیکر اپنی کتاب میں داخل کر لئے۔ کیونکہ بائبل کا مجموعہ اس سے بہت پیشتر اپنی تعلیمات کے ساتھ موجود تھا اور پارسیوں کے مذہب سے علمِ الٰہی میں خدا کی ہستی اور ذات و صفات و دیگر اصولی تعلیمات کے اعتبار سے زیادہ اعلیٰ درجہ کی صورت میں موجود تھا۔

پھر حضرت عزرا جو فقیہ اور اپنی قوم کے پیشرو اور اپنے مذہب کے لئے بہت غیرتمند تھے بلکہ اُنکو نبی کہا جاوے تو بجا ہوگا کیا یہ امر اُنکی نسبت تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ وہ پارسیوں کے مذہبی خیالات کو مقدس مجموعۂ بائبل میں جو مجموعۂ اصول کے اعتبار سے ثنویت کی نسبت بدرجہ غایت کامل تھا شامل کرنے پر راضی ہوگئے؟ پس ایسا

قیاس عزرا کی نسبت کرنا بہت ہی سخت درجہ کی غلطی ہے
قیاس اس امر کا مقتضی ہے کہ جو چند امور میں بائبل
اور اوستہ میں مشابہت پائی جاتی ہے ضرور اسکا سبب یہ ہے کہ
پارسیوں نے بائبل سے کسی وقت میں ان امور کو اخذ
کیا ہے۔ ہمارے اس قیاس کے لئے دلیل یہ ہے کہ جدید
تحقیقات کے رُو سے پارسیوں اور ہند کے آریوں کے
بزرگ ایک ہی مُلک کے باشندہ تھے اور دونوں کا مذہب
ایک ہی تھا اور زبان بھی ایک ہی تھی۔ چنانچہ اس
قیاس کی تائید بہت کچھ ہمارے بابو صاحب بھی اپنی
کتاب سرچشمۂ مذاہب کے آخری باب میں کرتے ہیں جہاں
وہ یہ ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں کہ سنسکرت اور پارسی زبان میں
بڑی گہری مشابہت یہودی و پارسی مذہب کی مشابہت سے کہیں زیادہ
بڑھ چڑھکر ہے (اس مضمون پر پادری بی۔ لی راے صاحب پروفیسر
ہندو مذہب مدرسہ علم الٰہی سہارنپور کا رسالہ اُردو میں
رشیوں کا آبائی وطن پڑھنے کے لائق ہے) لہذا اس سے
یہ امر صاف صاف معلوم ہوتا کہ ہند کے آریوں اور
پارسی آریوں کے مذہبی خیالات ایک عام گروہ اور جتھے
سے نکلے ہیں اور وہ کسی وقت ایک ہی قوم اور ایک ہی
مُلک کے باشندے تھے لیکن اُنکی باہمی جُدائی کے بعد کچھ

نئی تعلیمات پارسی آریوں نے کسی وقت بعد کو یہودی مذہب سے لے لیں غالباً یہودیوں کی اسیری کے وقت یا اُس سے قبل یہودی بادشاہوں کے ایّام میں یہ امر وقوع میں آیا۔ ہندی آریوں اور پارسی آریوں کی جُدائی کے بعد اسلئے ماننا پڑتا ہے کہ ابتدا میں دونوں ہندی آریوں اور پارسی آریوں کے خیالات ضرور ایک ہی تھے کیونکہ انکے آبا و اجداد ایک ہی تھے اور ایک ہی مُلک کے باشندے تھے لیکن اگر ابتدا میں جب دونوں فریق ایک ہی تھے اس امر کا وقوع میں آنا مانا جاوے تو ضرور ہندی آریوں اور پارسی آریوں دونوں کی کتابوں میں ان تعلیمات کا پایا جانا جو یہودیوں اور پارسیوں کے درمیان مشترک ہیں ضروری ٹھہرتا ہے۔ لہذا جب دونوں گروہ ایک دوسرے سے جُدا ہوگئے تو کسی زمانہ بعد میں پارسیوں نے اُس قوم سے نئے خیالات لے لئے جسکے ساتھ انکے میل جول کا موقعہ ہوا اور جسکے درمیان فرشتوں اور بہشت و دوزخ کی تعلیم پائی جاتی تھی وغیرہ اور دیگر واقعات سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جب یہودیوں اور پارسیوں کے خیالات میں مشابہت پائی جاتی ہے تو پارسیوں نے ان نئے خیالات کو یہودیوں سے لیا ہوگا اسلئے کہ یہودی انبیا اور بزرگ پارسیوں کے

نبی زرتشت اور اُنکی ژنداوستہ سے باعتبارِ قدامت پہلے ثابت ہوتے ہیں جیساکہ اوپر ثابت کیا گیا ہے۔

اب ہم آپ کی ایک اور گواہ میڈم صاحبہ کی گواہی پر بھی ذرا غور کرتے ہیں۔ بابو صاحب فرماتے ہیں کہ میڈم صاحبہ نہ صرف اس خیال کی تائید کرتی ہیں بلکہ اس خیال سے کہیں آگے بڑھ جاتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ موسیٰ کا تمام قصہ ہی ایجاد اور بناوٹ ہے۔ انکی دلیل بھی ایک بہت ہی کمزور خیال پر مبنی ہے کہ "سارگن کا قصہ موسیٰ نے موسیٰ پر تھوپ دیا" اور اس قیاس کی دلائل بھی جو مشابہت پر مبنی ہیں نہایت ضعیف ہیں چنانچہ آپ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ جس جگہ سارگن کا پایہ تخت تھا۔ اسکے گرد و نواح میں ایک شہر تھا جو موسیٰ کی بی بی کا ہمنام تھا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ سارگن بھی ٹوکرے میں رکھکر دریا میں ڈالدیا گیا اور ایک پانی کھینچنے والے نے دریا سے نکال لیا۔ اسکے جواب میں ہماری طرف سے پہلی گزارش یہ ہے کہ سارگن کا زمانہ مسیح سے ۳۸۰۰ سال پیشتر بیان کیا جاتا ہے یعنے حضرت موسیٰ سے ۲۳۰۰ برس پہلے جیساکہ مؤرخین کی تاریخ دنیا جلد اوّل صفحہ ۳۶ میں مرقوم ہے۔ پس اس سے یہ امر صاف ظاہر ہے کہ اگر آنجناب صاحب کا

بیان صحیح ہو تو موسیٰ کی بی بی کا ہمنام شہر سفورہ موسیٰ کی
بی بی کے وجود میں آنے سے ۲۳۰۰ سال پیشتر موجود ہوگا
اس صورت میں اس زمانۂ دراز کے بعد اگر شہر کے نام
اور موسیٰ کی بی بی کے نام میں مطابقت ہوئی تو اس سے
موسیٰ کو سارگن سے کیا مشابہت ہوئی؟ یہ محض ایک اتفاقی
امر ہوسکتا ہے کہ ایک شہر کے نام میں اور ایک عورت کے
نام میں مطابقت ہوگئی ورنہ کجا موسیٰ اور موسیٰ کی بی بی
اور کجا سارگن اور ہمنام شہر سفورہ۔

پھر یہ کہنا کہ عزرا نے سارگن کا ذکر بابل میں سنا ہوگا
اسلئے موسیٰ پر تھوپ دیا۔ کیوں میڈم صاحبہ کیا عزرا کو
خبط ہوگیا تھا جو موسیٰ کو سارگن بنانے کی کوشش کی؟
اور اس بناوٹی سارگن کی حقیقت اس زمانہ کے یہودیوں
کو جو عزرا کے ساتھ اسیری سے واپس آئے تھے کیسے معلوم
نہ ہوئی اور انھوں نے کیونکر ایسے جھوٹے قصہ کو یقین کرلیا؟

موسیٰ اور سارگن کے قصہ میں جو مشابہت بیان
کی جاتی ہے اور جس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ سارگن
کے حالات موسیٰ پر تھوپ دئے ناظرین ذرا ان حالات
اور موسیٰ کے حالات زندگی و پیدائش پر غور فرمائیں۔

(۱) موسیٰ قوم کا لیوی تھا اور کوئی امیر کبیر بھی نہ تھا۔ یہ

سارگن اپنے آپ کو اکاد کا بادشاہ بتلاتا ہے (۲) موسیٰ کی ماں بھی لاوی کے خاندان سے تھی پر سارگن اپنی ماں کو شہزادی بتلاتا ہے (۳) سارگن اپنے باپ کو نہیں جانتا پر موسیٰ اپنے والدین سے واقف تھا (۴) سارگن کہتا ہے "میرا چچا ازویران میں حکومت کرتا تھا" پر موسیٰ کا چچا کسی جگہ کا بادشاہ نہ تھا (۵) سارگن کو اکی نے پانی سے نکالا لیکن موسیٰ کو مصر کے بادشاہ فرعون کی بیٹی کے حکم سے اسکی سہیلیوں نے نکالا۔

اب کیا اسی مشابہت پر میڈم بلیوٹسکی اور انکے چیلے اسقدر شور مچاتے ہیں کہ عزرا نے سارگن کا قصہ سنکر موسیٰ پر تھوپ دیا؟ اگر وہ نہیں دیکھ سکتے تو کیا اور منصف مزاج لوگ بھی نہ دیکھ سکینگے کہ کسقدر متضاد باتیں موسیٰ اور سارگن میں پائی جاتی ہیں اور پھر بھی بیوجہ عزرا پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اسنے یہ قصہ بابل میں پارسیوں سے سنکر موسیٰ پر تھوپ دیا۔

موسیٰ اور سارگن میں اگر کوئی مشابہت ہے تو یہ ہے کہ دونوں ٹوکرے میں رکھکر دریا کے کنارے پر رکھ دئے گئے یا ایک ڈالدیا گیا اور دوسرا کنارے پر رکھدیا گیا۔ پس مخالفِ دینِ عیسوی دونوں کے ٹوکرے میں رکھے جانے اور

دریا سے نکالے جانے پر گلا پھاڑ کر چلاتے ہیں کہ دیکھو موسیٰ پر سارگن کا قصہ تھوپ دیا۔ یہ بات اظہر من الشمس معلوم ہوتی ہے کہ موسیٰ اور سارگن میں کُل بڑی باتوں میں ذرا بھی موافقت نہیں ہے۔ صرف ایک نہایت چھوٹی سی بات میں کسیقدر موافقت پائی جاتی ہے جسکا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ مگر بقولِ شخصے "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" ہمارے مخالفین کو بھی غنیمت ہے پر دانشمند اس سے دھوکہ میں نہیں آسکتے ہیں۔ اب اگر اس موافقت پر لحاظ کریں تو دُنیا میں لاکھوں آدمیوں میں اس قسم کی مشابہت کی باتیں پائی جائینگی مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ کرشن جی محمد صاحب تھے اور محمدی صاحبان نے کنہیا جی کا قصہ سُنکر محمد صاحب پہ تھوپ دیا۔

پس بابو صاحب موصوف کے دو بڑے دعوے یہ ہیں (۱) ابراہیم اور زرتشت ہمعصر تھے (۲) وہ ذریعہ اور موقع جنسے دونوں مذاہب ایک دوسرے کے خیالات کو اپنے میں داخل کرسکتے تھے۔ ہم نے مذکورہ بالا دلائل سے ثابت کردیا کہ یہ دونوں دعوے محض پوچ اور بے بنیاد ہیں۔

اب آگے چلکر یہودی اور پارسی مذہب میں آٹھ بڑی مشابہات بتلاتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں (۱) اہرمزد اور لفظ

یہوواہ میں معنی کے اعتبار سے مطابقت پائی جاتی ہے یعنی دونوں لفظوں کے معنی ہیں "میں وہ ہوں جو میں ہوں" (۲) دو طاقتوں کا خیال یعنی خدا اور شیطان (۳) فرشتے (۴) پیدائش دنیا (۵) مردوں کا جی اٹھنا (۶) آیندہ زندگی اور بہشت و جہنم (۷) قربانی (۸) دیگر چھوٹی چھوٹی مشابہات مثلاً نوح کی کشتی - باغ عدن کے دریا وغیرہ -

(۱) پہلی مشابہت کی نسبت یہ عرض ہے کہ لفظ یہوواہ توریت میں پایا جاتا ہے اور توریت ژنداوستہ سے زیادہ قدیم ہے پس قیاس غالب یہ ہوسکتا ہے کہ پارسیوں نے یہودیوں سے اس لفظ کو سیکھا -

این سائیکلو پیڈیا برٹینکا جلد ۱۳ صفحہ ۱۷۷ میں لفظ یہوواہ کی نسبت یہ بیان پایا جاتا ہے کہ "یہوواہ کی پرستش بہت قدیم زمانہ سے چلی آتی ہے حتی کہ دنیا کے شروع سے" پس یہ دعویٰ کہ یہودیوں نے پارسیوں سے یہوواہ کی پرستش کو سیکھا محض بے بنیاد ٹھہرتا ہے -

(۲) دو طاقتوں کا خیال یعنے خدا اور شیطان - اس میں یہودی اور پارسی مذہب میں مطابقت کلی نہیں مانی جاسکتی کیونکہ یہودی اور عیسائی شیطان کو خدا کا ثانی یا ہمتا نہیں مانتے جیسا کہ پارسی مذہب [illegible] پایا انکا اعتقاد

میں شیطان ایک فرشتہ مخلوقِ خدا تھا جو نافرمانی کرکے شیطان بنگیا لیکن پارسی مذہب کے رُو سے اہرمزد اور اہرمن دو متضاد طاقتیں مانی جاتی ہیں کہ ایک خالقِ خیر ہے اور دوسرا خالقِ شر ہے۔ یہ دونوں طاقتیں ایک دوسری سے جُدا اور ایک دوسری پر غالب آنے کے لئے آپسمیں لڑتی رہتی ہیں۔ ان دونوں کی چھ چھ قوی مانی گئی ہیں جنکے ذریعہ سے وہ اپنی اپنی کائنات کا انتظام کرتی ہیں (ماخوذ از زرتشت نامہ جسکو منشی محمد خلیل الرحمن صاحب کلرک منیجر نارتھ ویسٹرن ریلوے لاہور نے دارالاشاعت پنجاب کے لئے معتبر اور مستند ماخذوں سے جمع کرکے مرتب کیا صفحہ ۸۹)۔

(۳) فرشتوں کی نسبت بابو صاحب ڈاکٹر سیل سے اقتباس پیش کرکے فرماتے ہیں کہ یہودیوں نے فرشتوں کے نام اور اُنکے درجوں اور عہدوں کی نسبت فارسیوں سے سیکھا ہے۔ اسکے جواب میں یہ عرض ہے کہ فرشتوں کے وجود کی نسبت تو انہوں نے پارسیوں سے نہیں سیکھا کیونکہ بائبل میں یہ تعلیم موسیٰ کے زمانہ سے چلی آتی ہے جیساکہ پیدایش ۲۴: ۷۔ ۴۰ و خروج ۲۳: ۲۰۔ ۲۳ و گنتی ۲۰: ۱۶ و ایوب ۴: ۱۸ و زبور ۹۱: ۱۱ وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ پس ان حوالوں اور دیگر حوالجات سے جو بخوفِ طوالت یہاں درج نہیں کئے گئے

یہ امر صاف ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں کی نسبت بائبل کی
تعلیم موسیٰ کے زمانہ سے چلی آتی ہے اور موسیٰ کا زمانہ ظاہر
ہے کہ زرتشت سے پانچسو برس اور منشی خلیل الرحمٰن کے
بیان کے مطابق آٹھ سو برس قبل ثابت ہوتا ہے۔ پس یہ ممکن
ہے کہ پارسیوں نے یہودیوں سے سیکھا ہو لیکن یہودیوں نے
پارسیوں سے ہرگز نہیں سیکھا۔ رہا یہ امر کہ نام اور درجے
یہودیوں نے پارسیوں سے سیکھے۔ یہ تو بہت ہی پچھلے زمانہ کی
بات ہے کیونکہ ڈاکٹر سیل صاحب اپنے اقتباس میں یہودیوں
کی حدیثوں کا حوالہ دیتے ہیں نہ کہ بائبل کا اور یہ احادیث
بہت ہی بعد کے زمانہ کی تصنیف ہیں۔ چنانچہ این سائیکلوپیڈیا
جلد ۱ صفحہ ۵ میں یوں مرقوم ہے کہ بالترتیب اور فرشتوں
کی سرداری اور درجوں کی تعلیم نے یہودیوں میں مسیح
سے ۲۰۰ برس پیشتر سے ۱۰۰ برس تک کشایش حاصل کی
ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حدیثیں بائبل کی تعلیم
سے بہت ہی بعد کے زمانہ میں فرشتوں کی نسبت لکھی گئی
ہیں۔ ہمارے ناظرین اس امر کا خیال رکھیں کہ اس بحث
میں۔ اصلی بات جو معرض بحث میں ہے وہ یہ ہے کہ آیا
فرشتوں کی تعلیم یہودیوں نے پارسیوں سے سیکھی یا پارسیوں
نے یہودیوں سے سیکھی نہ یہ کہ انکے نام اور درجے۔ پس

اسکو مدِنظر رکھکر یہ امر صاف ہو جاتا ہے کہ فرشتوں کی تعلیم یہودیوں میں حضرت ابراہیم کے زمانہ سے چلی آتی ہے۔ جیساکہ ابراہیم پر فرشتوں کا ظاہر ہونا پیدایش کی کتاب سے ظاہر ہے۔ اب یہ امر قابلِ غور ہے کہ کُجا ابراہیم کا زمانہ اور کُجا یہودی حدیثوں کا زمانہ! اُنیس اٹھارہ سو برس کا بُعد نظر آتا ہے۔ پھر اگر چند یہودیوں نے فرشتوں کے نام اور درجے پارسیوں سے سیکھے تو اس سے بائبل میں جو نام اور درجے فرشتوں کے بیان کئے گئے ہیں اُنپر کُچھ اثر نہیں پڑتا کیونکہ حدیثیں تو بائبل کے مجموعہ کے بہت بعد لکھی گئی ہیں اور پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ حدیث کی کتاب جسکا سیل صاحب حوالہ دیتے ہیں کس زمانہ کی ہے۔ پھر آپ کسی پادری اینچ ملس کا حوالہ دیکر فرماتے ہیں کہ بائبل میں سات روحوں کا ذکر پارسیوں کے سات فرشتوں امیش سپینٹس سے مشابہ ہے۔ اس کی نسبت این سائیکلوپیڈیا جلد۲ صفحہ ۵ میں یوں مرقوم ہے "سات فرشتے جنکا ذکر حزقی ایل اور زکریاہ میں آیا ہے فارسیوں کے امیش سپینٹس سے مشابہ ہیں لیکن یہ علاقہ یا تعلق مشتبہ ہے۔"

پھر این سائیکلوپیڈیا جلد۲ صفحہ ۵ کے حاشیہ پر حزقی ایل

کے سات فرشتوں کی نسبت یوں مرقوم ہے کہ زرتشت کی تعلیم نے فرشتوں کی نسبت اس وقت تک یعنی جنکا ذکر حزقی ایل اور زکریاہ میں ہے کشایش حاصل کی تھی یقینی نہیں ہے۔

(۴) پیدایش دُنیا۔ بابو صاحب موصوف ڈاکٹر ہاگ صاحب کے بیانِ زرتشتی پیدایش دُنیا کا بائبل کے بیانِ پیدایش سے مقابلہ کرتے ہیں جو ناظرین کے مطالعہ کے لئے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

زرتشتی بیان (۱) پہلے دَور یا زمانہ میں آسمان پیدا کیا گیا (۲) دوسرے میں پانی (۳) تیسرے میں زمین (۴) چوتھے میں درخت (۵) پانچویں میں جانور (۶) چھٹے میں انسان۔ واضح رہے کہ زرتشتی ۶ دَورکُل ایک سال کا عرصہ ہے۔

پیدایشِ دُنیا ازروئے بائبل (۱) "پہلے دن آسمان اور زمین پیدا کئے گئے (۲) دوسرے دن فضا اور پانی (۳) تیسرے دن زمین۔ گھاس۔ پرندے اور پھلدار درخت (۴) چوتھے دن روشنی۔ سورج۔ چاند اور ستارے (۵) پانچویں دن چلنے والے جاندار۔ پردار چڑیاں اور بڑی مچھلیاں (۶) چھٹے دن زندہ جانور مویشی۔ رینگنے والے کیڑے۔ درندے اور انسان"۔

بائبل کے بیانِ پیدایش کی نسبت ڈاکٹر ہاگ صاحب

جیسے جرمن عالم نے اپنے بیان میں پہلے دن کی پیدایش میں سخت غلط بیانی کی ہے۔ جیساکہ وہ فرماتے ہیں کہ پہلے دن آسمان اورزمین پیدا کئے گئے۔ حالانکہ بائبل میں پہلے دن کی پیدایش کے متعلق صاف لکھا ہوا ہے کہ خدا نے کہا کہ اُجالا ہو اور اُجالا ہوگیا۔ پھر دُوسری غلطی تیسرے دن کے بیان میں کی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ پرندوں کو تیسرے دن کی خلقت میں شامل کرتے ہیں حالانکہ بائبل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پرندے پانچویں دن پیدا کئے گئے ہیں۔

پیدایش کے متعلق پہلے باب کی پہلی اور دوسری آیتیں خلقت کی ترتیب وار پیدایش سے بالکل جُدا تصوّر کی جاتی ہیں اور قدیم اور جدید علما کے نزدیک ان دو آیتوں میں خلقت کا تمام کام پیدایش کے متعلق تیار کیا جا رہا تھا اور جب وہ کل کام پُورا ہوگیا تو اسکی ترتیب تیسری آیت سے شروع ہوتی ہے چنانچہ مرقوم ہے کہ خُدا نے کہا اُجالا ہو اور اُجالا ہوگیا اور خُدا نے دیکھا کہ اُجالا اچھا ہے اور خُدا نے اُجالے کو اندھیرے سے جُدا کیا اور خُدا نے اُجالے کو دن کہا اور اندھیرے کو رات کہا سو شام اور صبح پہلا دن ہوا (پیدایش پہلا باب ۳-۵) پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ ترتیب وار پیدایش میں اُجالا پہلے دن کا کام ہے جسکو ڈاکٹر ہاگ صاحب نے قطعاً پیدایش

کے ترتیب وار کام سے خارج کردیا اور بجای پہلے دن کے کام
جو ترتیب پیدایش میں اُجالا تھا آپ نے آسمان اور زمین
رکھدیا جو بائبل کے بیان کے بالکل خلاف بلکہ جھوٹ ہے۔
پہلے باب کی پہلی آیت میں یوں لکھا ہے کہ ابتدا میں خُدا
نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا یہ نہیں لکھا ہے کہ پہلے دن
پیدا کیا۔ ڈاکٹر ہاگ جیسے عالم ضرور اس سے واقف ہونگے کہ
لفظ ابتدا کی جگہ پہلا دن استعمال کرنے سے اُن پہلی دو
آیتوں کا مطلب از روی جیالوجی بالکل درہم برہم ہوجاتا
ہے۔ پس انکا یہ بیان بالکل ایمانداری کے خلاف ہے اور
ہمارے بابو صاحب بھی جب تحقیق کرنے پر اُترے تھے تو مناسب طور پر
ذرا آنکھ کھولکر بائبل کے بیان کو پڑھ لیتے تاکہ لوگ دھوکا
کھانے سے بچ جاتے۔ پھر آگے چل کر بابو صاحب بائبل اور
اوستہ کی ترتیبِ پیدایش کا مقابلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ
زرتشتی بیانِ پیدایش فزیکل سائنس یعنی علمِ طبعی کی تحقیقات
سے اصولاً متفق ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ بابو صاحب نے
کسی سائنسدان سے اقتباس نہیں کیا کہ زرتشتی پیدایش کہانتک
سائنس کے مطابق ہے۔ خود ہی اپنی رای ظاہر کرتے ہیں اور
بابو صاحب کی "سائنسدانی پر کیونکر یقین کیا جاسکتا ہے جبکہ
مانے ہوئے سائنسدانوں کی فہرست میں انکا نامِ نامی دور

اسم گرامی مطلقاً درج نہیں ہے۔ ہم اگرچہ سایئنسداں نہیں ہیں تو بھی ایک بات بابو صاحب سے زرتشتی پیدایش کی نسبت ضرور دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ بھلا بابو صاحب یہ تو فرمائیے کہ زرتشتی پیدایش میں نہ تو سورج نہ چاند نہ ستاروں اور نہ کسی اور نور کی پیدایش کا ذکر ملتا ہے اور نہ پرندوں اور نہ دریائی جانداروں کی پیدایش کا پتہ لگتا ہے۔ معلوم نہیں کہ دن اور رات کا سلسلہ کیونکر پیدا ہوا اور چڑیاں اور مچھلیاں کہاں سے آئیں اور انکی پیدایش کی عدم موجودگی میں بھی آپ کیونکر زرتشتی بیانِ پیدایش کو بائبل کے بیانِ پیدایش پر ترجیح دیتے ہیں؟ علاوہ بریں اس بیان کے متعلق بابو صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ یجروید بھی دُنیا کی پیدایش اُسی (یعنی زرتشتی) ترتیب سے بیان کرتا ہے۔ "تب وہ چمکتا ہُوا مادہ یا سحابی مادہ پیدا ہُوا۔ یہ چمکتا ہُوا مادہ پرمیشور سے نگرانی کیا جاتا تھا۔ اسکے بعد اس مادہ سے زمین اور دیگر اجرام جُدا کئے گئے۔ اس قابل عزت ہستی نے جسکی سب پرستش کرتے ہیں تب نباتات پیدا کی گئی جو غذا وغیرہ کے کام میں آتی ہے۔ اُسی نے جانور بنائے۔ ہوا میں رہنے والے۔ جنگل میں رہنے والے اور آبادی میں رہنے والے۔ اسی نے انسان بھی پیدا کئے جنمیں سادھو اور رشی لوگ بھی شامل

ہیں۔ جنھوں نے دھیان کرکے اسکی پرستش کی جو قابلِ پرستش ہے اور سب سے بڑی ہستی جو ازلی ہے"۔ اسکے بعد بابو صاحب فرماتے ہیں کہ یہ امر قابلِ غور ہے کہ زرتشتی بیان ویدک بیان سے بہت ملتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خود زرتشتی بیانِ پیدائش جسکی موسوی بیان ایک ادھوری نقل ہے پیدائشِ عالم کے ویدک بیان پر مبنی ہے۔ بابو صاحب نے جو یجروید منتر ۶۰ و ۹ کا ترجمہ انگریزی کیا ہے وہ بھی اوپر ہدیۂ ناظرین کیا گیا ہے لیکن اب ہم مذکورہ بالا تینوں منتروں کا دیانندی ہندی ترجمہ ناظرین کی آگاہی کے لئے درج کرتے ہیں تاکہ ناظرین بابو گنگا پرشاد صاحب کے انگریزی ترجمہ کا (جسکا اُردو ترجمہ اوپر درج کیا گیا ہے) دیانند صاحب کے ہندی ترجمہ سے مقابلہ کرکے خود انصاف کرلیں کہ دونوں ترجموں میں کسقدر اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ ناظرین کو اختیار ہے کہ دونوں صاحبوں میں سے خواہ سوامی جی کو خواہ بابو صاحب کو سچا سمجھیں۔ گورو اور چیلے صاحب کی جنگ میں دیکھیں ناظرین کسکا ساتھ دیتے ہیں۔ سوامی جی نے ترجمۂ وید میں جس ایمانداری سے کام لیا ہے اس پر بحث کرنیکا موقع نہیں ہے۔ اس موقع پر ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ بابو صاحب نے تو ایمانداری کا اس جگہ خون ہی کردیا۔ اب ہم ہندی ترجمہ ذیل میں

نقل کرتے ہیں - ہندی اڈیشن یجروید ادھیاے ۳۱ منتر ۵
"پرمیشور ہی سے سب سمشٹ روپ جگت اتپن ہوتا ہے -
وہ اس جگت سے پرتھک اسمیں ہیاپت بھی ہوا - اس کے
دوشوں سے پست نہوکے اس سب کا ادھشٹاتا ہے - اس پر
کار ساماشتی کر جگت کی رچنا کہہ کے بشیش کر بھوم آدکی رچنا
کو کرم سے کہتے ہیں" - یجروید منتر ۶ "جس سب کو گرہن کرنے
یوگ پوجنے پرمیشور نے سب جگتوں کے ہت کے لئے وہی
آدبھوتئے یوگ پدارتھوں اور گرام کے تتھا بن پشو بنائے ہیں
اسکی سب لوگ اپاسنا کرو" - یجروید منتر ۹ "ودوان منشوں کو
چاہیئے کہ سرشٹ کرتا ایشور کا یوگ ابھیاس آدی سے سدھردی
روپ ایکاس میں دھیان اور پوجن کیا کریں"
مہاشے دھرمپال کا اُردو ترجمہ منتر ۵ یجروید "اس پرماتما
سے گوناگوں مخلوقات سے بھرا ہوا برہمانڈ پیدا ہوتا ہے اور
وہی اس سنسار کا مقنن ہوتا ہے - اس سنسار کی پیدایش
سے پہلے بھی وہ مکمل بالذات پرماتما موجود ہے - وہی بعد ازاں
زمین کو پیدا کرتا ہے" - یجروید منتر ۶ "ایسے سرو بیاپک حمد و
ثنا کے لائق پرماتما سے دہی وغیرہ کھانے کے لائق اشیا پیدا
ہوئیں - اُسنے جنگل کے درندے اور گاؤں کے گائے وغیرہ پشو
اپنے اپنے نرم گرم سبھاؤ والے پیدا کئے" - منتر ۹ یجروید "اسے

انسانو وہ عالم باعمل یوگی مہاتما اور منتروں کے جاننے والے یوگی رشی لوگ جو ہر ایک سرشٹی کے شروع میں پیدا ہوتے ہیں اور حمد و ثنا کے لائق مکمل بالذات پرماتما کو سمادھی کے ذرائع شاکسات کرتے ہیں وہ رشی لوگ پرماتما کے جس دئے ہوئے گیان کے مطابق اسکی پوجا کرتے ہیں۔ اسکو تم بھی جانو۔"

بابو صاحب کے انگریزی ترجمہ میں بمقابلہ سوامی دیانند صاحب کے جو باتیں زائد اور مختلف ہیں وہ قابلِ غور ہیں ہم انکو ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ بابو صاحب کے ترجمۂ انگریزی میں یہ باتیں زائد ہیں جو دیانندی ترجمہ میں نہیں ہیں (۱) چمکتا ہوا یا سحابی مادّہ پیدا ہوا (۲) اس مادّہ کی نگرانی پرمیشور کرتا تھا (۳) اس مادّہ سے زمین اور دیگر اجرام جدا کئے گئے (۴) نباتات پیدا کی گئی (۵) جو غذا کے کام میں آتی ہے (۶) ہوا میں رہنے والے (۷) جو ازلی ہستی ہے۔ ع ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا!

کیوں صاحب! سوامیؔ دیانند جیسے پنڈت کو جو آریہ سماج کے بانی اور بنیادی پتھر تھے یہ چمکتا ہوا یا سحابی مادّہ اور دیگر باتیں منتروں کے ترجمہ میں کیوں نہ سوجھیں؟ بابو صاحب نے ان ہی سنسکرت الفاظ میں سے یہ نئی تراش خراش پیدا کرلی۔ کیا اسکی یہ وجہ ہے کہ بابو صاحب سنسکرت دانی

ہیں سوامی جی سے بڑھ چڑھکر ہیں؟ نہیں! پر ہمارے نزدیک وجہ اسکی صاف ظاہر ہے کہ بابو صاحب زبانِ انگریزی سے واقف ہیں اور انگریزی زبان میں علمِ جیالوجی کی کتابوں کو پڑھکر انہیں یہ بات سوجھی کہ ویدوں کو بھی موجودہ تحقیقات کے مطابق علم جیالوجی کے ہمپلّہ بناویں۔ مگر چونکہ سوامی دیانند انگریزی زبان سے ناآشنا تھے اسلئے انکے دماغ میں ایسی باتوں کا خیال آنا محال تھا۔ جسقدر سن سناکر موجودہ علم کی ترقی سے وہ فائدہ اُٹھا سکتے تھے انہوں نے ویدوں کے ترجمہ میں کوتاہی نہیں کی مگر ہمارے بابو صاحب چونکہ انگریزی میں ماشاءاللہ ایم۔اے ہیں لہذا "پیران نمی پرند و مریدان می پرانند" کے مصداق بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب بابو صاحب فرمائیے کیا اسی برتے پر آپ نے ڈینگ مارکر کہا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ خود زرتشتی بیانِ پیدایش جسکی موسوی بیان ایک ادھوری نقل ہے پیدایش عالم کے ویدک بیان پر مبنی ہے۔ ہم اسوقت اِس بیان پر بحث کرنا نہیں چاہتے کہ موسوی بیان کہانتک قابلِ وقعت ہے کیونکہ یہ امر ہماری بحث سے خارج ہے محض بابو صاحب کی طرح ہم بھی جملہ معترضہ کے طور پر بابو صاحب موصوف کی توجہ اُدیُ افشاں کے مضمون مطبوعہ ۱۸ جولائی ۱۹۱۳ء کی طرف مبذول کرنا چاہتے ہیں جنسے بابو صاحب کو پتہ لگ سکتا ہے کہ دُنیا کے کیسے بڑے علامۂ

زمان بائبل کے بیان پیدایش عالم کو دُنیا کی دیگر مذہبی کتابوں یعنی وید
اور زرتشتی بیانِ پیدایش عالم کے مقابلہ میں نہ صرف ترجیح دیتے ہیں
بلکہ صحیح مانتے اور بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔
بابو صاحب یہ بات ماننے کے لئے تو تیار نہونگے کہ
زرتشتی اور ویدک بیانِ پیدایش عالم بائبل کی ادھوری نقلیں
ہیں لیکن کچھ عجب نہیں کہ اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے اپنے
گرو سوامی دیانند کو اعلیٰ درجہ سے ادنیٰ پر اُتارکر یہ کہیں کہ سوامی نے
یجروید کے منتروں کے ترجمہ میں غلطی کی ہے جسکی اصلاح اب
ہم چیلوں کو سوجھی ہے۔
پانچویں مشابہت مُردوں کا جی اُٹھنا۔ اسکی نسبت بھی
بابو صاحب ڈاکٹر ہاگ صاحب کی سند سے یہ ثابت کرنا چاہتے
ہیں کہ مُردوں کے جی اُٹھنے کی تعلیم بھی یہودیوں نے پارسیوں
سے حاصل کی ہے۔ اسکی نسبت بابو صاحب کو معلوم ہو کہ پاک
کلام کی قدیم کتابوں میں یہ تعلیم صاف پائی جاتی ہے چنانچہ
ایوب ۱۹:۲۵-۲۷ و زبور ۴۹: ۱۵ و یسعیاہ ۲۶: ۱۹ و دانیل
۱۲:۱-۳ پس یہ تعلیم بھی اغلب ہے کہ پارسیوں نے یہودیوں
سے حاصل کی۔ خود تو بابو صاحب کچھ تحقیق نہیں کرتے محض لکیر کے
فقیر بنتے ہیں۔
چھٹی مشابہت آیندہ زندگی اور بہشت و دوزخ بہشت

کی تعلیم بھی قدیم کتابوں میں ملتی ہے گو بہت صاف طور پر نہیں۔ مگر آئندہ زندگی کی مبارکبادی کا بہت صاف بیان پایا جاتا ہے چنانچہ گنتی ۲۳: ۱۰ و ایوب ۱۹: ۲۶-۲۷ و زبور ۱۶: ۱۱ و ۴۹ و زبور ۷۳: ۲۴ و ہوشیاہ ۱۳: ۱۴ و دانیل ۱۲: ۲ و ۳ لیکن یہودیوں کی احادیث میں بہت مفصّل بیان ملتا ہے۔ چنانچہ بائبل کی ڈکشنری مؤلفہ سمتھ جلد ۳ صفحہ ۲۳۲۳ میں یوں لکھا ہے "انکا بیان یعنی بہشت کا مبیّن اور مفصّل تھا اور نادیدہ دُنیا کا کامل نقشہ"۔ پس احادیث وغیرہ میں بالتشریح بیان کیا گیا ہے۔

(۲) پھر این سائیکلوپیڈیا برٹنیکا جلد ۲۰ صفحہ ۱۵۷ میں لفظ پردیس جسکے معنی بہشت کے ہیں پُرانے عہدنامہ کی آخری کتابوں میں تین مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ عام محاورہ میں اسکے معنی رمنا یا باغ کے ہیں۔ یہ امر بہت ہی مشتبہ ہے کہ پارسی لفظ پرپدزا سے یہ عبرانی پردیس نکلا ہے۔ لفظ پرپدیزا اوستہ میں صرف ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے اور وہاں اسکے معنی احاطہ کے ہیں۔ پس اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہودیوں نے اس خیال کو پارسیوں سے حاصل نہیں کیا کیونکہ یہودی نوشتے قدیمتر ہیں۔

(۳) پھر حنوق اور ایلیاہ نبیوں کا آسمان پر اُٹھایا جانا

بہشت کی طرف صاف اشارہ کرتا ہے۔ دیکھو پیدائش ۵: ۲۴
و ۲ سلاطین ۲: ۱۱۔ لفظ ہنم یا وادیِ ہنم جس سے جہنّم نکلا
ہے شروع میں ایک وادی تھی جس میں ہوسیاہ بادشاہ کے
زمانہ میں مولاک دیوتا کی پرستش ہوتی تھی پر اُسنے اس
پرستش کو اُٹھا دیا اور وہاں ہر طرح کی نجاست ڈالی۔ دیکھو
۱ سلاطین ۱۱: ۷ اور ۲ سلاطین ۲۳: ۱۰-۱۴ و یشوعہ ۱۵: ۸۔ بعد
کو یہ جگہ توفت کہلانے لگی جسکے معنی نفرتی جگہ کے ہیں۔
طبعی مشابہت کی وجہ سے یہ لفظ آخری سزا کے لئے مستعمل
ہوا ہے جسکے ساتھ تکلیف اور خرابی کا خیال شامل ہے۔

انجیل میں اس لفظ کا استعمال ۱۲ جگہ ہوا ہے اور
ہمیشہ آخری سزا کے لئے استعمال ہوا ہے۔ دیکھو متی ۵: ۲۲ و ۳۰
و مرقس ۹: ۴۳-۴۷ و یعقوب ۳: ۶۔ لفظِ شیول بھی کبھی
کبھی جہنّم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے چنانچہ مقاماتِ
ذیل سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے زبور ۹: ۱۷ و امثال ۲۳: ۱۴
و استثنا ۳۲: ۲۲-۲۳ و امثال ۹: ۱۸ وغیرہ۔ پس پاک کلام
کے ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ یہودیوں نے اس امر
میں بھی پارسیوں کی تقلید نہیں کی بلکہ اغلب ہے کہ پارسیوں
نے یہودیوں سے سیکھا ہو۔

ساتویں مشابہت۔ بابو صاحب فرماتے ہیں کہ یہ رسم

بھی یہودیوں نے پارسیوں سے حاصل کی اور پارسیوں نے آریوں سے مگر پارسیوں نے آریوں سے سیکھ کر اُسے بگاڑ دیا اور یہودیوں نے پارسیوں سے سیکھکر اور بھی زیادہ بگاڑ دیا کیونکہ یہودی گوشت خور قوم ہے۔ بابو صاحب قربانی کی رسم کو انکی ہوتر بتلاتے ہیں جو آریوں میں صبح و شام ادا کی جاتی تھی اور دونوں وقت جب دُعا کیا کرتے تھے تو اُسکے ساتھ گھی اور خوشبودار چیزیں آگ پر جلایا کرتے تھے۔ کیا خوب! اب بابو صاحب اپنے آبا و اجداد کی رسم سے جسمیں گوشت چڑھایا جاتا اور جانور قربان کئے جاتے تھے اور خوب کھائے جاتے تھے اِسقدر شرماتے ہیں کہ پارسیوں پر الزام لگاتے اور یہودیوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ آپ کو اگر ویدوں میں گوشت خوری اور گوشت کی قُربانیاں دیکھنا منظور ہے تو پروفیسر بی۔پی رائے صاحب کا رسالہ ویدک شایستگی ملاحظہ فرمائیں اور مسٹر دھرم پال کے اندر ماہ نومبر ۱۹۱۲ء کو بھی مطالعہ کریں۔ رہا یہ امر کہ یہودیوں نے پارسیوں سے سیکھا یہ ایک خیالِ خام اور وہم ہے جسکی بُنیاد محض باطل خیال پر ہے کہ زرتُشت ابراہیم کے ہمعصر تھے جسکو ہم اوپر بخوبی ثابت کرچکے کہ یہ خیال و قیاس ہی غلط ہے۔ علاوہ اسکے یہ بھی کمال حیرت کی بات ہے کہ گرو اور چیلے بائبل سے اتنی واقفیت بھی نہیں رکھتے کہ قربانی کی رسم کو جو ابتدا

خلقت سے ازروی بائبل سکھائی گئی ہے اور جو ابراہیم اور زرتشت اور ویدوں سے سیکڑوں برس پیشتر عمل میں لائی جاتی تھی اُس سے واقف ہوں۔

پس صحیح خیال و قیاس یہ ہوسکتا ہے کہ پارسیوں نے خواہ آریوں سے سیکھا خواہ یہودیوں سے (اگرچہ زیادہ تر یہی ممکن ہے کہ آریوں نے یہودیوں سے سیکھا کیونکہ یہودی اس رسم کو خلقت انسان کے زمانہ سے اپنے ایمانی اصول میں قبول کرتے اور مانتے آئے ہیں اور جتنے بزرگ اس قربانی کی رسم کو یہودی قوم سے قبل مانتے تھے وہ بھی ازروی ایمان یہودیوں کے ہمخیال تھے اور اسلئے یہودی تھے) مگر صاف ظاہر ہوتا کہ انہوں نے اس رسم کو نہیں بگاڑا جیسا کہ بابو صاحب کو وہم ہوا ہے بلکہ سوامی دیانند کے چیلوں نے کیونکہ وید تو اس قربانی کی رسم اور گوشت خوری کے جواز سے بھرا پڑا ہے۔ یہانتک کہ سوامی دیانند خود بھی ایک وقت گوشت خوری کی رعایت کرتے تھے۔ بابو صاحب اس جملہ سے بگڑ نہ جائیں۔ سوامی صاحب کا ستیارتھ پرکاش مطبوعہ بنارس اس بات پر گواہ ہے۔ علاوہ بریں آریہ سماجیوں میں بھی ایک گروہ ماس پارٹی موجود ہے۔ پس یہ الزام نہ پارسیوں اور نہ یہودیوں پر عائد ہوتا ہے بلکہ خود بابو صاحب پر جو وید

اور کتنے آریہ سماجیوں کے خلاف اپنی جُدا متھرا نگری بسا رہے ہیں۔

آٹھویں مشابہت۔جسمیں آپ چھوٹی چھوٹی باتوں میں مشابہت بتلاتے ہیں۔(۱) موسیٰ کا پہاڑ پر خُدا سے دس احکام حاصل کرنا۔ اسی طرح اہرمزد نے پہاڑ پر زرتشت سے باتیں کیں (۲) خدا نے نوح کو کشتی بنانیکا حکم دیا اسی طرح اہرمزد نے یم کو کشتی بنانیکا حکم دیا (۳) باغ عدن کی ندیاں جیحون و سیحون۔ان ندیوں کی نسبت فرماتے ہیں کہ انکا ذکر اوستہ میں ملتا ہے (۴) درخت حیات کا ذکر اور نیک و بد کی پہچان کے درخت کا ذکر بھی اوستہ میں پایا جاتا ہے۔

ان میں سے پہلی مشابہت کی نسبت تو یہ کہنا ہے کہ محض ایک اتفاقی امر ہو سکتا ہے ۔ باقی مشابہات میں اگر کسی کا جزو مشابہ ہو تو یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ پارسیوں نے یہودیوں سے اِن امور کو سیکھا۔ علاوہ ازیں آخری دو مشابہات محض بلا ثبوت ہیں۔کوئی دلیل پیش نہیں کی ۔جیحون و سیحون کو ڈاکٹر اسپیجل دریای انڈس اور جیگزارٹس سے مشابہ کرتے ہیں مگر کیوں مشابہ کرتے ہیں؟ اسکی کوئی دلیل پیش نہیں کرتے۔ اسی طور پر باغ عدن کے درخت حیات اور نیک و بد کی پہچان کے درخت کو

غیر مضر درخت اور گاؤ کرینا سے جسمیں سفید ہوما (یا سوما) کا پھل لگتا ہے مشابہ بتلاتے ہیں۔ اسمیں ڈاکٹر اسپیجل صاحب کی پھر وہی جغرافیہ دانی کی غلطی ہے جو ابراہیم اور زرتشت کی جای سکونت کی نسبت پائی جاتی ہے۔ دریای جیحون و سیحون کی نسبت پاک کلام میں یوں مرقوم ہے کہ وہ دونوں دریا باغِ عدن سے نکلکر تقسیم ہوجاتے ہیں پیدایش ۲: ۱۰ و ۱۱ لیکن دریای انڈس ہندوستان میں واقع ہے اور جیگزارٹس فارس میں اور ان دونوں کے درمیان قریباً ساڑھے چارسو میل کا فاصلہ ہے اور انکے درمیان بڑے بڑے پہاڑوں ہندوکش اور ہمالیہ کے سلسلے واقع ہیں کہ جنکے درمیان سے آریوں کا گزر محال تھا۔ پس ان دونوں میں مشابہت کیونکر ہوسکتی ہے؟

نوح کی کشتی کی نسبت اگرچہ زرتشتی اور بائبل کے بیان میں اختلاف ہے لیکن بالفعل ہم اس اختلاف سے درگزر کر پھر بابو صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ جس حال کہ نوح کا زمانہ ابراہیم سے بھی بہت ہی قدیمتر ہے تو ضرور آپ کو اس امر کے ماننے میں کچھ دریغ نہیں ہوسکتا کہ یہ بیان بھی کسی طور پر یہودیوں سے پارسیوں نے سیکھا ہوگا اور اسی طور پر باغِ عدن کا بیان بھی توریت سے لیا گیا ہوگا

چونکہ ہم بابو صاحب کے اس دعوے کا بطلان
کامل طور پر کرچکے کہ "یہودی مذہب پارسی مذہب پر مبنی ہے"
اسلئے اب ہم اپنے دلائل اور بابو صاحب کے دعاوی کا
مختصر طور پر تکرار کرتے ہیں۔ بابو صاحب کا پہلا دعویٰ
یہ تھا کہ حضرت ابراہیم اور زرتشت دونوں ہمعصر تھے اور
ایک ہی جگہ کے رہنے والے تھے لہذا انکے درمیان خیالات
کا تبادلہ ہوتا رہا لیکن ہمنے اس امر کو ثابت کردیا کہ حضرت
ابراہیم اور زرتشت نہ ہمعصر تھے اور نہ ایک جگہ کے رہنے
والے تھے لہذا آپسمیں انکے خیالات کا تبادلہ نا ممکن تھا۔
چنانچہ ہمنے اس امر میں دلائل پیش کرکے دکھایا کہ بابو
صاحب کا دعویٰ نہ فقط ثابت ہی نہیں ہوتا بلکہ بالکل باطل
ہے۔ ہمنے یہ بھی ثابت کیا کہ حضرت ابراہیم زرتشت سے
پانچسو برس قبل موجود تھے۔ دعویٰ یہ تھا کہ شامی نبیوں اور
زرتشت کے چال چلن میں بدرجۂ غایت مشابہت پائی جاتی
ہے۔ اس دعوے کی تردید بھی کی گئی اور ثابت کیا گیا کہ
محض وہم کے سوا اور کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ پھر دعویٰ
بابل کی اسیری ہے۔ اسمیں بابو صاحب کے دعویٰ کے ثبوت
میں کوئی دلیل نہیں ہے لیکن سارگن بادشاہ کے قصّہ کی
نسبت فرماتے ہیں کہ سارگن کے قصّہ کو موسیٰ پر تھوپ دیا۔

چنانچہ ہمنے اس امر کی تردید بھی کر کے دکھا دی اور یہ بھی صاف دکھا دیا کہ جتنی مشابہات موسیٰ اور سارگن کے درمیان بابو صاحب نے پیش کی ہیں اُنہیں سے کوئی بھی صادق نہیں آتی۔ آخر میں آپ نے آٹھ مشابہات پیش کی ہیں جنکے پیش کرنیکا بھی یہی مطلب تھا کہ یہودیوں نے پارسیوں سے اِن تعلیمات کو حاصل کیا ہے اور وہ زمانہ جسمیں کُل یا بعض باتیں لی گئی ہیں وہ اسیری کا زمانہ ہے جسمیں یہودی ستر برس تک پارسیوں کے مُلک میں رہے۔ اِن مشابہات کی نسبت بھی ہمنے ثابت کردیا کہ وہ کُل تعلیمات جنہیں مشابہات بتائی جاتی ہیں پاک کلام کی کتابوں میں صاف طور پر پائی جاتی ہیں اور بائبل کی وہ کتابیں جنہیں سے ہمنے حوالہ جات دیکر ثابت کیا ہے ژنداوستہ سے زیادہ قدیمی ہیں اور اگر قدامت کے اعتبار سے بعض کتابیں جنکا حوالہ ہمنے پیش کیا ہے ژنداوستہ کی ہمزمان بھی ہوں تو جب وہی تعلیمات بائبل کی دیگر قدیم کتابوں میں موجود ہیں تو ضرور ہے کہ پچھلے زمانہ کے نبیوں نے اپنے سے قدیم نبیوں کی کتابوں سے لی ہوں نہ کہ ژنداوستہ سے۔ اب ہم آپ کے دُوسرے دعوے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

بابو صاحب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسیحی مذہب جزاً

بُدھ مذہب پر مبنی ہے اور دعویٰ کے ثبوت میں مسٹر آر سی۔ دت کی رای پیش کرتے ہیں۔ دت صاحب فرماتے ہیں " چند باتیں مسیحیت اور بُدھ مذہب میں مشترک پائی جاتی ہیں جنکے باعث سے ایک عرصہ سے شبہہ تھا کہ ان دونوں مذہبوں کے درمیان کوئی تعلق ہوگا۔ بدھ مذہب کی تعلیمات یونانیوں میں مسیح سے قبل داخل ہو چکی تھیں اور راجہ اشوک کے گرنار کے کتبوں سے یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ اسکے عہد سلطنت میں بُدھ مذہب کے مناد مُلک سیریا کو گئے تھے تاکہ وہاں بدھ کی منادی کریں۔ رومی مورخ پلینی جو مسیح سے ایک صدی بعد گزرا ہے وہ یہ بیان کرتا ہے کہ مُلکِ فلسطین میں ایک فرقہ اسینی نام مسیح سے ایک صدی پہلے موجود تھا جسکی نسبت زمانۂ حال کی تحقیقات کے رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بُدھ مذہب کا ایک فرقہ بن گیا۔ مصر میں بھی ایک فرقہ تھراپیٹس اسی قسم کا موجود تھا اور یہ اسینی فرقہ کی ایک شاخ تھی۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ دوسرے لفظوں میں اسکو بُدھ مذہب کہنا چاہیئے۔ چنانچہ مسیحی مذہب کے ایک عالم اور جان نثار مسیحی رینن بھی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں (رینن کو سچا مسیحی قرار دینا محض غلط بیانی ہے اور بابو صاحب

کا تحکّم اور بس)۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ آر سی دت صاحب فرماتے ہیں
"بعض میانہ رو عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ سیریا میں بُدھ
دھرم پروفیسر مہافی کے الفاظ میں اُس مذہب کا پیشرو
اور تیار کنندہ تھا جسکی حضرت عیسیٰ نے دوسو برس بعد
تعلیم دی۔ ہم جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کا پیشرو یوحنا
بپتسمہ دینے والا ایسے مسائل سے بخوبی واقف تھا اور
بعض کا دعویٰ ہے کہ وہ خود بھی اسینی تھا۔ اسلئے یہ
صریحی طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے بپتسمہ دینے
والے سے بہت سی رسوم اور تعلیمات سیکھ لیں۔ یہ امور
بُدھ دھرم اور دین عیسوی کے درمیان تعلّق کا ذریعہ
ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں"۔

اسکا جواب اوّل تو یہ ہے کہ آر۔سی دت صاحب کی
رای محض قیاسی ہے اور زمانۂ حال میں مختلف قیاسات
قائم کئے جاتے ہیں اور نیز اُن قیاسوں میں ہمیشہ تبدیلیاں
بھی واقع ہوتی رہتی ہیں۔پس دت صاحب کا قیاس کچھ
الہامی تو ہے نہیں کہ ہم اُسے آمنّا و صدقنا کہکر مان لیں بلکہ
پس منطقی اصول پر اس سے کسی ایسے صحیح نتیجہ پر نہیں

پنچ سکتے جس پر آپ پہنچکر دعویٰ کر بیٹھے کہ مسیحی مذہب
بزرگ بدھ مذہب پر مبنی ہے اور رہئن صاحب بھی مسیحی
مذہب کے کوئی مستند عالم نہیں ہیں- مہافی کا بیان تو
سراسر لاعلمی پر مبنی ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اس مذہب
کا پیشرو اور تیّار کنندہ اسینی تھا-جسکی مسیح نے دوسو برس
کے بعد تعلیم دی- چُنانچہ ہم اپنے دعوے کی تائید میں آپ
کے پیش کردہ محقّقوں سے زیادہ بڑھ چڑھکر این سائیکلوپیڈیا
برٹینکا کے صفحہ ۷۷۹ سے مندرجہ ذیل اقتباس پیش کرتے
ہیں "مسیحی مذہب سے پہلے یہودیوں میں ایک درویشوں
سنیاسوں کا فرقہ تھا-انکا ذکر تواریخی طور پر مسیح سے
۱۰ سال پہلے یونیتھن مقابی کے وقت میں پایا جاتا ہے
اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ وہ کسقدر قدیم زمانہ سے چلے
آتے ہیں ہمارے پاس کوئی سامان موجود نہیں ہے
اسلئے مصنفین انکی قدامتِ زمان کے بارے میں کچھ نہیں
کہتے-اب اس حوالہ سے یہ امر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ
درویشوں کا فرقہ یا اسینی بے تعینِ زمانہ و وقت
مدۂ دراز سے چلا آتا ہے- پس اُسکی نسبت یہ کہنا کہ
مذہب کی تعلیم سے یہ فرقہ پیدا ہوا محض غلطی پر مبنی
ہے کیونکہ مہاتما بدھ تو مسیح سے قریباً چارسو برس پہلے

گزرے ہیں اور بدھ مذہب کی اشاعت ضرور ہے کہ کسی دوسرے ملک میں کچھ عرصہ بعد ہوئی ہو جیسا کہ ہمارے بابو صاحب بھی فرماتے ہیں کہ راجہ اشوک کے زمانہ میں ہوئی اور یہ راجہ مسیح سے ۲۷۲ سال پیشتر راج کرتا تھا۔

ثانیاً این سائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے صفحہ ۷۸۰ و ۷۸۱ میں یوں مرقوم ہے کہ "انکی نسبت یعنی اسینی کی نسبت اگر یہ فرض کیا جاوے کہ کسی قدر بیرونی تاثیر سے یہ فرقہ پیدا ہوا تو چار مختلف خیالات انکی نسبت بیان کئے جاتے ہیں کہ یہ تاثیر ان پر فارسیوں یا بدھ مت والوں یا فیثاغورثی یا گردونواح کی سیرین غیر اقوام سے ہوئی۔ ان چاروں خیالات کی نسبت معقول دلائل پائے جاتے ہیں۔ لیکن این سائیکلوپیڈیا کے مصنف کا فیصلہ ڈاکٹر لائٹ فٹ کی رای سے اتفاق کرتا ہے اور ڈاکٹر لائٹ فٹ صاحب فرماتے ہیں کہ پارسی مذہب کی تاثیر عام طور پر قوم اسرائیل پر تھی اور اس تاثیر سے یہ فرقہ پیدا ہوا۔"

پس جس حال میں چار مختلف خیالات فرقہء اسینی کی نسبت پائے جاتے ہیں بابو صاحب کا کیا حق ہے کہ اسینی فرقہ کو مخصوص طور پر بدھ مذہب سے نکلا ہوا بتائیں تاوقتیکہ وہ قطعی دلائل سے اس امر کا ثبوت بہم نہ پہنچائیں

کہ دیگر بین خیالات اِن اِن وجوہ سے باطل ہیں؟

مسیحی مذہب کی اناجیل کے جمع ہونے سے پہلے بُدھ مذہب کی تعلیمات اور قصّہ فلسطین میں مروّج نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ مشہور عالم پروفیسر کوبین صاحب جو مسیحی نہیں تھے فرماتے ہیں کہ "ہم بیشک یہ کہہ سکتے ہیں کہ بُدھ مذہب کی تاثیر مسیحی مذہب کی ابتدا میں اُسپر کسی قسم کی نہیں ہوئی ہے"۔

ذیل میں پروفیسر جے ایسٹلن کارپینٹر اور بشپ لائٹ فٹ صاحبان کے دلائل مختصر طور پر ناظرین کی آگاہی کے لئے پیش کئے جاتے ہیں جنسے ہمارا مندرجہ بالا دعویٰ بخوبی ثابت ہو جائیگا۔

(۱) نہایت اعلیٰ درجہ کی تواریخی شہادت سے یہ امر ثابت ہے کہ بُدھ مذہب مسیح سے ۲۵۰ سال پیشتر تک ہندوستان سے باہر نہیں گیا لیکن جب اشوک بادشاہ سلطنت کرتا تھا اُسکے عہد میں بُدھ مذہب نے غیر مُلکوں میں اپنا مشن جاری کیا یا کرنا شروع کیا۔ مسیحی سال کی پہلی صدی میں بُدھ مذہب مشرق کی جانب چین سے آگے نہیں بڑھا پر مغرب کی جانب بُدھ مذہب کے پھیلنے کی نسبت خود بُدھ مت والوں کی شہادت اس امر پر موجود ہے کہ

انکے کسی مشنری نے میڈیٹرینین کے کنارے پر کسیکو بدھ بنانیکی کوشش نہیں کی۔ لیکن ایک صاحب بنام ہل جین فیلڈ کوہن صاحب کے حوالہ پر استدلال کرتے ہیں کہ بدھ لوگ بیان کرتے ہیں کہ بدھ مذہب مسیح سے قبل دوسری صدی کے وسط میں السدا میں جو یون کی زمین میں بڑا شہر ہے کامیابی کے ساتھ پھیل گیا تھا۔ السدا سے ہل جین فیلڈ کا مطلب ہے کہ وہ سکندریہ تھا جو یونانی سلطنت میں مشہور شہر تھا۔ لیکن بشپ لائٹ فٹ اس نتیجہ پر پہنچنے کی تردید کرتے ہیں۔ وہ ہمیں صاف بتاتے ہیں کہ لفظ یون ہندوستانیوں کا عام نام گریکو بیکٹرین سلطنت اور اسکی ماتحت سلطنتوں کے لئے مستعمل تھا اور جس سکندریہ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ وہی سکندریہ ہوگا جو کیپشیم کے قرب میں ہے۔ علاوہ بریں یہ بیان بدھ مت والوں کی کتاب مہاونسا سے لیا گیا ہے۔ اور چونکہ مہاونسا کا بیان نہایت ہی غلط اور مبالغہ آمیز ہے اسلئے اسپر کچھ اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ مہاونسا کی نسبت ٹرنر صاحب کے ترجمہ کے حوالہ سے لائٹ آف انڈیا اور لائٹ آف دی ورلڈ کے حاشیہ پر مرقوم ہے کہ مہاونسا کے سب سے قدیم حصے ۴۵۹ء و ۴۷۷ء میں

تصنیف ہوئے ہیں لہذا اسقدر پچھلے زمانے کی کتاب کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے؟

مہاونسا میں ایک جگہ پر یوں لکھا ہے کہ السدا سے ہندوستان کو تیس ہزار کاہن رتناولی کے مٹھ بتانے کے وقت آئے تھے۔ لیکن اس بیان کو کون سچا تسلیم کرسکتا ہے کہ بدھ مذہب ۱۵۰ برس قبل از مسیح اس کثرت سے جاری ہوگیا تھا کہ اسقدر شمار کاہنوں یا مہنتوں کا ہندوستان کو بھیج سکے حالانکہ یونانی اور لاطینی مورخ اُسکی ہستی کا مطلق ذکر تک نہیں کرتے؟

پھر آپ فرماتے ہیں کہ" ہم اس طرح سے معلوم کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تو بدھ دھرم فلسطین سیریا اور مصر میں پھیلا ہوا تھا اور فلسطین کے اسینیون میں بدھ دھرم کے احکام بطور خاندانی یا معمولی کہاوتوں کے مروّج تھے۔

ہم بابو صاحب کو مسٹر دنت کے اس بیان پر کہ بدھ مذہب فلسطین - سیریا وغیرہ میں پھیلا ہوا تھا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سیریا چند سلطنتوں کا مجموعہ ہے جسمیں چند بادشاہ سلطنت کرتے تھے اور اسکا ایک حصّہ فلسطین یا یہودیوں کا ملک تھا لہذا اس لفظ

سیریا سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ فلسطین کو گئے تھے۔ اب گروار کے کتبوں میں سیریا کا ذکر ملتا ہے جیساکہ مسٹر ونٹ اسوکا کے کتبوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنے بیان میں اقتباس کرتے ہیں مگر لفظ فلسطین کا ذکر نہیں ملتا۔ لہذا یہ مسٹر ونٹ کی کتاب سے اقتباس کے طور پر لیا ہوا معلوم نہیں ہوتا اور یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ بابو صاحب موصوف نے اس لفظ کو اپنی طرف سے بڑھا دیا جو دیانت کے سراسر خلاف ہے اور ایسی مغالطہ دہی سے کام لیا تاکہ مخالف مذہب کو مغلوب کیا جائے۔ ایسا کرنا مذہبی تحقیقات کرنیوالوں کی شان اور دعوے کے بالکل خلاف ہے۔

(۲) اگر یہ بیان سچ ہے تو بشپ[له] لائٹ فٹ صاحب کی طرف سے ہم بابو صاحب سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ براہِ مہربانی یہودیوں کے علم ادب میں جس زمانہ کا آپ دعویٰ کرتے ہیں کسی ایک جگہ بھی بدھ مذہب کا بیان دکھائیں۔ بشپ لائٹ فٹ صاحب فرقۂ اسینی کے اس بیان کی نسبت کہ وہ بدھ مذہب کی تاثیر سے پیدا

له بشپ لائٹ فٹ صاحب کے دلائل لائٹ آف ایشیا اور لائٹ آف دی ورلڈ کے مصنف نے اپنی کتاب میں ۹۰ سے ۹۳ صفحہ تک درج کئے ہیں۔

ہوا یوں فرماتے ہیں (۱) "اعلیٰ درجہ کے عالم اس تعلق سے منکر ہیں (۲) یہ سچ ہے کہ اسپینی بدھ مذہب والوں کی طرح درویش تھے لیکن درویش ہونیکے لئے یہ لازم نہیں کہ انہوں نے بدھ مذہب والوں سے سیکھا کیونکہ ایسے لوگوں میں بھی درویش پائے جاتے ہیں جنپر بدھ کے اثر کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا (۳) پھر اسینیوں کے درویشوں میں محنت کرنا جائز تھا پر برعکس اسکے بدھ مذہب کے درویشوں میں محنت کرکے روٹی کھانا ناجائز ٹھہرایا گیا ہے (۴) مجرّد رہنا اور گوشت نہ کھانا اور جانوروں کی جانوں کی حفاظت کرنا بھی بدھ مذہب ہی کا خاصہ نہیں ہے۔ دیگر مذہبی فرقوں میں بھی اس قسم کے خیالات پائے جاتے تھے۔ پس یہ مطابقت کسی طرح سے اس امر کا ثبوت نہیں ہے کہ انہوں نے بدھ مت والوں سے سیکھا (۵) اگر بدھ مذہب کے خیالات کی ملاوٹ دینِ عیسوی میں کی گئی تھی تو اُس زمانہ کے مخالف جنہوں نے عیسوی مذہب کے خلاف کتابیں لکھیں کہیں تو اس امر کا الزام مسیحیوں پر لگاتے"۔

ہمارے خیال میں تاوقتیکہ یہ ثابت نہو کہ فلاں تعلیم بدھ مذہب سے اسینیوں نے لی یہ محض دعویٰ

ہی دعویٰ ہے۔ ثبوت کا نام بھی نہیں ملتا۔ نہ تو مسٹر دت اور نہ بابو صاحب اور نہ بابو صاحب کے کسی مددگار نے محض دعوے کے سوا کوئی دلیل پیش کی۔ یہ کہدینا کہ بدھ مذہب کے احکام اسینیوں میں مثل کہاوتوں کے رائج تھے ایک وہم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

(۷) یہ بھی آپ کا ایک وہم ہے کہ یوحنا سے خداوند مسیح نے اسینیوں کی تعلیم حاصل کی۔ ابھی تو اسینیوں کی نسبت آپ نے کچھ ثابت نہیں کیا کہ انہوں نے بدھ مت والوں سے کچھ سیکھا۔ پھر یہ عجیب منطق ہے کہ ایک وہم پر دوسرے وہم کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ آپ اگر انجیل سے واقف ہوتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ یوحنا خود کہتا ہے۔" میں تو اسکی جوتی کا تسمہ کھولنے کے بھی لائق نہیں ہوں"۔ ایسا لایعنی دعویٰ کرنا آپ ہی جیسے مہاشوں کا کام ہے۔ پھر یوحنا کہتا ہے" ضرور ہے کہ وہ بڑھے اور میں گھٹوں۔ جسکی دلہن ہے وہ دولہا ہے مگر دولہا کا دوست جو کھڑا ہوا اسکی سنتا ہے دولہا کی آواز سے بہت خوش ہوتا ہے۔ پس میری یہ خوشی پوری ہوگئی ضرور ہے کہ وہ بڑھے اور میں گھٹوں" یوحنا ۳: ۲۹ و ۳۰۔

پھر اگر آپ انجیل سے واقف ہوتے تو آپ خداوند مسیح
کے اپنے بیان سے صاف معلوم کر لیتے کہ یوحنا کی فقیرانہ
زندگی سے خداوند مسیح کی زندگی پر کچھ بھی اثر نہیں پڑا
چنانچہ خداوند مسیح نے خود فرمایا ہے کہ یوحنا کھاتا پیتا
نہیں آیا اور لوگ کہتے ہیں کہ اس میں ایک دیو ہے پر ابنِ
آدم کھاتا پیتا آیا اور لوگ کہتے ہیں کہ وہ کھاؤ اور
محصول لینے والوں کا دوست ہے۔

اب ہم آپ کو یہ بھی دکھلانا چاہتے ہیں کہ ایک مشہور
عالم اور مورخ جو بدھ مذہب کی تعلیمات میں ماہر اور پالی
زبان کے عالم ہیں وہ آپ کے مسٹر دت کے پیش کردہ
گرنار کے نوشتوں اور کتبوں کی نسبت کیا خیال رکھتے
ہیں۔ انکا خیال ہے کہ بدھ مذہب کے پنڈت کبھی سیریا
میں مذہب کا پرچار کرنے کی غرض سے نہیں گئے۔ اس سے
پیشتر کہ اس مشہور عالم کی شہادت مذکورہ بالا بیان کی
نسبت پیش کی جاوے ہمارے ناظرین کو عموماً اور ہمارے
مخاطب بابو صاحب کو خصوصاً واضح رہے کہ جب یہ عالم یونان
میں جانیکی نسبت خیال کرتے ہیں کہ وہاں بدھ مذہب کے پنڈت
نہیں گئے تو اس سے نہ صرف یونان مراد لینا چاہیے بلکہ
وہ تمام سلطنت جو گریکو سیرین کہلاتی تھی جسکے یونانی

بادشاہ جو سیریا میں حکمراں اور اسوکا کے ہمعصر تھے اور وہ بادشاہ اینٹیاکس پہلا دُوسرا اور تیسرا تھے جو ۲۸۴ سے ۲۲۲ قبل از مسیح سلطنت کرتے رہے اور جنکے قبضہ میں سیریا کے تمام حصے فنیشیہ و فلسطین وغیرہ تھے۔

اب ہم اس مختصر تمہید کے بعد آپ کو بتاتے ہیں کہ یہ عالم ٹی۔ ڈبلیو۔ ایس ڈیوڈ۔ ایل ایل۔ ڈی پی ایچ۔ ڈی ہیں جو اپنی کتاب بدھسٹ انڈیا کے صفحہ ۲۹۸ و ۲۹۹ میں یوں فرماتے ہیں:۔ "اسوکا نے اپنے مُلک کی حدود میں اپنے مذہب کو پھیلانے کی کوشش کی لیکن اپنے تیرھویں مذہبی فرمان میں جو قبل از مسیح ۲۵۵ میں اُسنے اپنے بیٹوں اور پوتوں کے لئے لکھا وہ یوں کہتا ہے کہ مجھے تلوار کی فتحیابی سے دھمّا کی فتحیابی میں زیادہ خوشی ہوتی ہے اور پھر کہتا ہے کہ مینے ایسی فتحیابی ابھی سیریا۔ مصر۔ مقدونیہ۔ ایپیرس۔ کیرینی اور چولا پانڈا اور لنکا میں حاصل کی ہے اور دیگر مختلف قوموں میں جو کہ ملک کی سرحد پر ہیں لوگ ہرجگہ بادشاہ کے احکام کی جو دھمّا میں پائے جاتے ہیں اطاعت ظاہر کرتے ہیں اور جہاں کہیں بادشاہ کے ایلچی نہیں بھی جاتے ہیں وہاں بھی جب بادشاہ کے دھمّا کو سُنتے ہیں تو لوگ متابعت

ظاہر کرتے ہیں"۔

اس پر ایس ڈیوڈ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ "امر ثابت نہیں ہوتا کہ کہانتک مندرجہ بالا بیان صحیح ہے اور کہانتک بادشاہ کی لن ترانی ہے۔ اغلب ہے کہ یونانی بادشاہوں کا ذکر محض اپنے بیان کو وزندار بنانے کی غرض سے کیا ہے اور کوئی ایلچی فی الحقیقت وہاں بھیجا نہیں گیا۔ اگر ایلچی بھیجے بھی جاتے تو اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ یونانیوں کے مذہبی فخر پر کچھ اثر ہوسکتا تھا۔ اسوکا کے منادوں کے بھیجنے کا اثر جو وہ خود بیان کرتا ہے اُس ہی کے فخر اور گھمنڈ کا ثبوت ہے بجای اسکے کہ یونانی اسقدر آسانی سے وحشیوں کی تعلیم کو قبول کرتے۔ وہ تو اُسپر ہنستے اور کہتے کہ یہ ہمیں فرائض سکھانے آئے ہیں! اور یہ بھی ہم کبھی یقین نہیں کرسکتے کہ ایک اجنبی ملک کے بادشاہ کے حکم سے وہ اپنے دیوتاؤں اور عقیدہ کو ترک کردیتے"۔

اس موقع پر مورخ ہماری مدد کے لئے آ پہنچتے ہیں۔ مختصر بیان میں وہ ہمیں ان مشنریوں کے نام بتلاتے ہیں جنکو موگالی کے بیٹے تشا نے (جو کتاوتو کا مصنف اور تیسری کونسل کا میر مجلس تھا جو اسوکا کی

زیر نگرانی اور عہد سلطنت میں فراہم ہوئی تھی) بھیجا
دیکھو دیپاونسا کا ۸ باب اور مہاونسا کا ۱۲ باب۔ وہ
کشمیر اور قندھار اور ہمالیہ اور نیپال اور تبت اور
انڈس کی حدود پر برہما کے کنارہ اور جنوبی ہندوستان
اور لنکا کو بھیجے گئے۔ ہر ایک جماعت میں ایک گرو اور
چار مددگار تھے۔جو مشنری ہمالیہ کی حدود میں بھیجے گئے
انمیں سے ۳ کے نام یہ ہیں۔مجیھما۔کسپا پاگوٹہ ڈنڈب
ہسارا الخ۔

ہم مسٹر ایس ڈیوڈ کے اس بیان سے ناظرین اور
بابو صاحب کی خدمت میں نتائج ذیل عرض کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) سیریا کی نسبت جب مشنریوں کا بھیجا جانا
بیان کیا جاتا ہے تو مسٹر ایس ڈیوڈ بجای سیریا کے
یونان کے بادشاہوں کے پاس مشنریوں کا بھیجا جانا تسلیم
کرتے ہیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایس ڈیوڈ صاحب
سیریا کو یونان کے بادشاہوں کی سلطنت تصوّر کرتے ہیں

(۲) چونکہ فلسطین سیریا میں شامل ہے لہذا جب
یہ مشنری سیریا کو نہیں گئے تو فلسطین کو بھی نہیں گئے۔

(۳) مسٹر ایس ڈیوڈ کے بیان سے یہ امر بھی مترشح
ہوتا ہے کہ موگالی کے بیٹے تسّانے جن مقامات کو مشنری بھیجے

ان میں سیریا و مصر وغیرہ کا نام نہیں ملتا۔ اس سے گویا وہ یہ فرماتے ہیں کہ تواریخی بیان میں اسوکا کے گرنار کے نوشتوں میں جو نام دئے گئے ہیں انکا انہیں ذکر نہ ملنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گرنار کے کتبوں کا بیان یا تو کل غلط ہے یا جزءً ورنہ مسٹر ایس ڈیوڈ کے اس کہنے کا کیا مطلب ہے کہ "اس موقع پر تواریخ ہماری مدد کے لئے آجاتی ہے"؟

(۴) چین و تبت اور لنکا اور برہما وغیرہ میں بدھ مذہب کے پیرو لاکھوں اور کڑوروں موجود ہیں۔ اگر اسی طرح سے اسوکا کے زمانہ میں مشنری سیریا۔ مصر۔ کیرینی وغیرہ میں بھی بھیجے گئے ہوتے (جبکہ سیریا میں بقولِ بابو صاحب اسوکا کے احکام معمولی طور پر رائج تھے) تو موجودہ زمانہ میں وہاں سیکڑوں کی تعداد تو موجود ہوتی۔ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ اگر بابو صاحب وہاں پر کم از کم ایک بدھ مذہب والا ہی نکالکر دکھادیں تو ہم بابو صاحب کو اس امر میں ڈگری دینے کو تیار ہیں ورنہ آپ کو اختیار ہے۔ اپنے منہ سے جو چاہیں گپ ہانکیں۔ ہم آپ کے منہ کو بند نہیں کرسکتے:

اسکے بعد بابو صاحب بدھ مذہب اور دینِ عیسوی کی

اخلاقی تعلیم میں چھ بڑی مشابہات پیش کرکے فرماتے ہیں کہ "یہ باعتبار الفاظ اور خیالات کے ایک دوسری بہت زیادہ مشابہ ہیں"۔ چنانچہ اب ہم ذیل میں اُن مشابہات کو پہلو بہ پہلو رکھکر پیش کرتے ہیں۔

تعلیماتِ بُدھ	تعلیماتِ مسیح
(۱) اے احمق بالوں کی مانگ نکالنے سے کیا فائدہ ہے؟ بکری کی پوستین پہننے سے کیا فائدہ ہے؟ تیرے اندر لوٹ بھری ہے لیکن تو اپنے باہر کو صاف کرتا ہے۔ (۲) عداوت سے عداوت ہرگز نہیں جاتی۔ عداوت محبت سے جاتی ہے۔ یہ اسکی فطرت ہی ہے۔ ہمکو خوش رہنا چاہیئے۔ جو ہم سے عداوت کرتے ہیں اُن سے عداوت نہیں کرنا چاہیئے۔ اُن لوگوں کے درمیان جوہمسے	(۱) اے فقیہو فریسیو تم پر افسوس! کیونکہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر سے مُردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں (متی ۲۳ : ۲۷) اور خداوند نے ان سے کہا اے فریسیو تم پیالے اور رکابی کو اوپر سے تو صاف کرتے ہو لیکن تمہارے اندر لوٹ بھری ہوئی ہے (لوقا ۱۱ : ۲۹)۔

تعلیماتِ بُدھ

عداوت کرتے ہیں ہمیں عداوت سے دُور رہنا چاہئے آدمی کو چاہئے قہر کو محبت سے زیر کرے (دھم پد ۵-۱۹۹ و ۲۲۳)-

(۳) جانداروں کو ہلاک کرنا قتل کرنا- کاٹنا- باندھنا- چرانا- جھوٹ بولنا- دھوکا- فریب- نکمی کتابوں کو پڑھنا- دُوسرے کی بی بی سے مباشرت کرنا- یہ ابی گندہ ہیں جو انسان کو ناپاک کرتی ہیں - ابی گندہ سوتنا مشمولہ ست نپات-

(۴) اُس شخص کے خوشنما اور بے اثر الفاظ جو اُن پر عمل نہیں کرتا مثل خوبصورت پھولوں کے ہیں جو رنگین ہیں مگر خوشبو سے خالی ہیں (دھم پد ۵۱)-

تعلیماتِ مسیح

(۲) لیکن مَیں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دُشمنوں سے محبت رکھو- جو تم پر لعنت کریں اُنکے لئے برکت چاہو- جو تم سے عداوت رکھیں اُنکا بھلا کرو اور اپنے ستانے والوں اور بےعزتی کرنے والوں کے لئے دُعا مانگو (متی ۵: ۴۴)

(۳) کیونکہ بُرے خیال- خونریزیاں - زناکاریاں-حرام کاریاں- چوریاں-جھوٹی گواہیاں اور بدگوئیاں دل ہی سے نکلتی ہیں-یہی باتیں ہیں جو آدمی کو ناپاک کرتی ہیں (متی ۱۵: ۱۹-۲۰)-

(۴) پس جو کچھ وہ تمہیں بتائیں وہ سب عمل میں لاؤ

تعلیماتِ بدھ

(۵) سب آدمی سزا سے ڈرتے
اور زندگی کو پیار کرتے ہیں۔
یاد رکھو تم بھی مثل اُن ہی
کے ہو اور تم نہ قتل کرو نہ قتل
کراؤ (دھم پد ۱۳)۔

(۶) دُوسروں کا عیب آسانی
سے نظر آجاتا ہے لیکن اپنے
عیب کو دیکھنا دشوار ہے۔
انسان اپنے ہمسایہ کے عیب
کو مثل بھوسہ کے پھٹکتا ہے
لیکن اپنے عیبوں کو چھپاتا ہے
جیسے دھوکہ باز جھوٹے پانسہ کو
قمارباز سے چھپاتا ہے (دھم پد ۱۱)

تعلیماتِ مسیح

اور مانتے رہو۔لیکن اُنکے سے
کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں
مگر کرتے نہیں (متی ۲۳ : ۳)۔

(۵) اور جیسا تم چاہتے ہو کہ
لوگ تُم سے کریں تم بھی اُنکے
ساتھ ویساہی برتاؤ کرو (لوقا ۶ : ۳۱)

(۶) تُو جو اپنے بھائی کی آنکھ
کے تنکے کو دیکھتا ہے اپنی آنکھ
کے شہتیر پر کیوں خیال نہیں کرتا؟
(متی ۷-۳)۔

(۱) پہلی تعلیم میں۔اگر کچھ مشابہت ہے تو ہرایک دانا ایسی ریاکاری کو بُرا ٹھہرائیگا۔ اسمیں ایک کو دُوسرے سے سیکھنے کی ضرورت نظر نہیں آتی۔علاوہ بریں پُرانے عہدنامہ میں اِس قسم کی ریاکاری کو صاف بُرا ٹھہرایا ہے چُنانچہ ہم

ریاکاری سے پرہیز کرنے کی نسبت چند مقامات پیش کرتے ہیں۔ ایوب ۸: ۱۳ و امثال ۱۱: ۹ و زبور ۲۶: ۱۴۔ پس اگر خداوند مسیح نے ریاکاری سے پرہیز کرنے کی تعلیم بفرض محال خارج سے حاصل کی بھی تو پُرانے عہدنامہ سے جو بُدھ مذہب سے بہت قدیم ہے۔

انمیں الفاظ کی یکسانیت تو دو ایک جگہ نظر آتی ہے پر باقی خیالات کے مفہوم کو ادا کرنے میں مثالیں اور الفاظ بھی بالکل ہی جُداگانہ ہیں۔ پس یہ مشابہت بالکل راست نہیں آتی۔

(۲) اس تعلیم میں خداوند مسیح محبت کرنے اور دشمنوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وجہ بھی صاف بتلاتے ہیں "تاکہ تُم اپنے باپ کے فرزند ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں پر چمکاتا ہے اور راستوں اور ناراستوں پر پانی برساتا ہے"۔ پس ہمارے خداوند نے باپ کے کاموں پر غور کرنے سے سیکھا۔ بُدھ نے اگر تعلیم دی تو اسکا مقصد کچھ اور ہے کیونکہ وہ تو خدا کی ہستی ہی کا قائل نہیں۔

خداوند مسیح کی ذات و صفات اور اسکے دُنیا میں آنے کے مقصد سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سرتاپا رحم مجسم تھا اور اسلئے ضرور تھا کہ اُسکی تعلیم محبت کی ہو اور نہ فقط

تعلیم ہی دے بلکہ اوروں کے ساتھ محبت کا کامل اظہار دکھانے
میں اپنی جان تک کفارہ میں دے۔کیا ہمارے بابو صاحب
بُدھ کی زندگی میں ایسے مقصد و افعال دکھا سکتے ہیں؟
"چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک"؟
اسمیں چند الفاظ ضرور مشابہ ہیں مگر خیال کی علّت غائی
میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لہذا جس سرچشمۂ محبت
سے خداوند مسیح متحرک ہوا بُدھ کو اُسکا خواب تک نہیں آیا۔
بُدھ کے فلسفہ میں محض دُشمن پر قابو رکھنے اور اپنے آپ کو
بچانے کی تعلیم تھی اور یہ محض دُنیادی حکمت تھی۔پُرانے
عہدنامہ کی تعلیم اس سے خالی نہیں۔چنانچہ امثال ۲۵: ۲۱-۲۲
میں دُشمنوں کو کھانا کھلانے اور پانی پلانے کا ذکر ملتا ہے
جسکا مقصد اُنکے ساتھ نیکی کرنیکا ہے اور پھر امثال ۲۴: ۱۷ میں
مرقوم ہے کہ جب تیرا دُشمن گرجاوے دلشاد مت ہو پھر خروج
۲۳: ۴ میں دُشمنوں کے ساتھ نیکی کرنے کی تعلیم ملتی ہے۔پس
یہ مشابہت بھی آپ کے ہاتھ سے گئی گزری ٹھہری۔
(۳) اس تعلیم میں کوئی خاص مشابہت نظر نہیں آتی۔
قریباً دُنیا کے سب مذہبوں میں یہ باتیں عام ہیں۔
خداوند مسیح نے اُن بُرے افعال کے صادر ہونے میں
دل پر زور دیا ہے پر بُدھ نے اسکا کچھ بیان نہیں کیا۔

اگر خداوند مسیح نے اِن امور کو بُدھ سے سیکھا ہوتا تو جانوروں کو قتل کرنا بھی منع کیا ہوتا۔

یہ سب باتیں پُرانے عہدنامہ میں جانوروں کو کھانیکے سوا بالکل ممنوع ہیں۔ پس اگر بفرضِ محال خداوند مسیح نے اس امر میں کچھ روشنی خارج سے حاصل کی تو پُرانے عہدنامہ سے اور اسی وجہ سے خداوند نے جانوروں کے کھانے کو ممنوع نہیں ٹھہرایا۔ سلیمان اپنی امثال میں فرماتے ہیں کہ اپنے دل کی بڑی سے بڑی حفاظت کر کیونکہ زندگی کی راہیں اُسی سے نکلتی ہیں۔ پس اگر کچھ مشابہت ہے تو سلیمان کی امثال سے ہے۔

(۴) اس تعلیم میں خیالاً کوئی مشابہت ہی نظر نہیں آتی۔ خداوند مسیح اسمیں کچھ اور ہی بتاتے ہیں جسکا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کے کلام کی ہدایت دے تو اسکو مانو گو وہ ہادی خود اس پر عمل نہ کرتا ہو۔ تم ایسے ہادی کے سے کام نہ کرو۔ لیکن بُدھ جی کا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ ہادی خود باعمل ہونا چاہئے۔ بابو صاحب اوروں کی تقلید کرتے ہوئے خود کچھ غور نہیں کرتے۔

(۵) اس تعلیم میں (۱) الفاظ کی مشابہت نظر نہیں آتی۔ (۲) اگر اسمیں خیالاً مشابہت ہے تو بُدھ جی ایک خاص امر

قتل کی ممانعت کر رہے ہیں کہ نہ تم قتل کرو اور نہ کراؤ۔ کیونکہ ہر شخص اپنی جان کو پیار کرتا ہے۔ پس جس طرح سے تم اپنی جان کو پیار کرتے ہو اور نہیں چاہتے ہو کہ کوئی تمکو قتل کرے اسی طرح تم بھی کسی کو قتل نہ کرو۔ لیکن خداوند مسیح کا قانون قتل سے مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ ساری اخلاقی شریعت کے عمل میں لانیکی نسبت ایک دلیل ہے کہ ہر شخص کو اخلاقی شریعت کیوں ماننا چاہیئے۔ پس ایک خاص ہے اور دُوسرا عام ہے (۳) یہ اخلاقی شریعت نہیں ہے بلکہ اسکے عمل میں لانیکے لیئے ایک دلیل یا سبب ہے۔ لیکن بابو صاحب نے اسکو اخلاقی شریعت میں داخل کردیا۔

(۹) اس تعلیم میں خیال تو ایک ہی ہے مگر مثال بالکل دُوسری ہے۔ اس قسم کا خیال ہر دینی معلّم کرسکتا ہے لہذا ایک کو دُوسرے سے سیکھنے کی ضرورت نظر نہیں آتی۔

پھر جناب بابو صاحب فرماتے ہیں کہ ریمٹن صاحب مسیحی مذہب کی تمثیلات اور بدھ مذہب کی تمثیلات میں بھی مشابہت بتلاتے ہیں لیکن فقط دو تمثیلوں کا ذکر کرتے ہیں اور وہ بھی مفصل نہیں محض حوالہ دیتے ہیں۔ ایک بیج بونیوالے کی تمثیل اور دُوسری لوقا ۱۲: ۱۶ ہیں۔ لیکن ہم افسوس کرتے ہیں کہ بابو صاحب نے ان دونوں تمثیلوں کو ہمارے سامنے

پیش نہیں کیا تاکہ ہم بھی موازنہ کرکے دکھاتے - لہذا جب بابو صاحب خاموش ہیں تو ہم بھی مجبوراً چُپ ہیں -

آگے بڑھکر آپ فرماتے ہیں کہ "یہودی مذہب میں تمثیل لانیکا کہیں نمونہ نہیں ملتا اور اسلیئے خداوند مسیح تمثیل میں کلام نہیں کرسکتا تھا"- واہ صاحب! بریں عقل و دانش ببایدگریست - بابو صاحب کا یہ اقتباس پیش کرتے ہوئے ہمکو خواہ مخواہ اُنکے حق میں یہ مثل کہنی پڑتی ہے کہ اگر ایک اندھا دوسرے اندھے کی رہنمائی کرے تو کیا دونوں گڑھے میں نہ گریں گے؟ کیا خوب اربن کی تقلید کی ورنہ ایسی فاش غلطی نہ کرتے - اگر آپ سلیمان کے امثال اور واعظ کی کتاب اور پُرانے عہدنامہ کی دیگر کُتب سے واقف ہوتے تو ایسا دعویٰ ہرگز نہ کرتے "تمثیلوں کا استعمال مسیح سے قبل اور مسیح کے زمانہ میں بھی یہودی معلم کیا کرتے تھے اور وہ عموماً گمارا اور میدراش میں کثرت سے پائی جاتی ہیں" (اسمتھ بائبل ڈکشنری جلد ۴۸ صفحہ ۲۳۴۸) -

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے رہنمن صاحب یہودیوں کی دینی کتابوں سے بالکل ناواقف ہیں - پر آپ انکو یہودی مذہب سے واقف کار سمجھتے ہوئے اتنا بڑا دعویٰ اُنکے بوتے پر کر بیٹھے جس پر ہمیں مندرجہ بالا مثل کہنی پڑی -

اُمید ہے کہ آیندہ آپ ایسی زود اعتقادی سے کام نہ لینگے اور ہر انگریزی نام ٹام اور جیک کو بغیر دریافت کئے اپنا رہنما نہ بنائینگے۔

پھر مذہبی رسوم اور خانقاہوں کی طرزِ عمارت کی نسبت ایک فہرست جسمیں قریباً پینتیس ۳۵ مشابہت کے امور بتائے گئے ہیں ہم اُنمیں سے فقط بعض کو ناظرین کی دلچسپی کے لئے نقل کرتے ہیں:- (۱) عصای پوپ (۲) کلاہِ پوپ (۳) ڈھیلا چوغہ (۴) پرستش میں گانیوالوں کی دو قطاریں (۵) بھجن گانا (۶) بھُوت پریت نکالنے کے منتر (۷) پانچ زنجیروں میں لٹکایا ہوا چراغ یا عود سوز (۸) لاماؤں کا اپنے معتقدین کے سرپر ہاتھ رکھکر برکت دینا (۹) روزہ رکھنا (۱۰) آبِ مقدس (۱۱) پادری کے سامنے گناہوں کا اقرار کرنا (۱۲) سر مُنڈانا (۱۳) مزاروں اور قربان گاہوں کے سامنے پھُول چڑھانا (۱۴) تثلیث میں توحید کا ماننا (۱۵) توبہ (۱۶) عذاب (۱۷) فرشتوں کے پر (۱۸) پوپ (۱۹) کارڈینل (۲۰) بشپ (۲۱) ایبٹ (۲۲) پریسبٹر (۲۳) ڈیکن (۲۴) تعویذ (۲۵) بپتسمہ (۲۶) صلیب کا نشان وغیرہ۔

اب اس فہرست میں کتنی ایسی رسوم ہیں جنکا ذکر پرانے عہدنامہ میں صاف طور پر ملتا ہے اور بعضوں کا یہودیوں

کے علم ادب اور احادیث سے سُراغ لگتا ہے چنانچہ پُرانے
عہدنامہ میں نمبرات ۲ و ۳ و ۴ و ۵ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۲ و ۱۵
و ۱۶ و ۱۷ و ۲۴ کا بیان صراحتاً و اشارتاً و مجملاً پایا جاتا ہے
اور بعض رسوم مذکورہ بالا کا ذکر انجیل مقدس سے صاف
طور پر عیاں ہے۔(۱) بشپ (۲) پرسبیٹر (۳) ڈیکن (۵) صلیب
(۶) سر پر دہنا ہاتھ رکھنا (۷) تثلیث فی التوحید۔ پُرانے اور نئے
عہدنامہ سے یہ کُل ۲۱ حوالے ہوتے ہیں جنکے ثبوت میں پُرانے
اور نئے عہدنامہ سے حوالجات پیش کرنا چنداں ضروری معلوم
نہیں ہوتا۔ عموماً بائبل مقدس کے پڑھنے والے ان باتوں
سے بخوبی واقف ہیں۔ اگر ہمارے بابو صاحب اس امر پر
اصرار کرینگے تو ہم اپنے دعویٰ کے مطابق ثابت کرکے دکھلا
دینگے۔ باقی ۱۴ یا ۱۵ باتیں یہودیوں کی احادیث اور رومن
کیتھلک مسیحیوں کی احادیث میں قریباً کل مِل جائینگی اور
وہ مندرجہ ذیل ہیں (۱) سیلی جو لاما سفر یا بوقت رخصت
یا مندر سے باہر جانیکے وقت پہنتے ہیں (۲) بھوت پریت
نکالنے کے منتر (۳) پھولوں کا ہار (۴) سادھوؤں کا ازدواج
سے پرہیز کرنا (۵) روزوں کے ایام میں گوشہ نشینی اختیار کرنا
(۶) مہاتماؤں کی پوجا (۷) منتروں کو جپنا (۸) پادریوں
کے سامنے گناہوں کا اقرار کرنا (۹) بزرگوں کی کسی یادگار

کی پرستش کرنا (۱۰) قبروں پر پھول چڑھانا (۱۱) بتوں کا استعمال (۱۲) آسمان کی ملکہ کی پرستش (۱۳) مذہبی کتابوں کو ایسی زبان میں رکھنا جو غیر لوگ نہیں سمجھ سکتے (۱۴) بزرگوں کی تصویروں میں سر کے گرد سنہرا ہالہ بنانا (۱۵) سنتوں کا ٹکٹ۔

اب اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ رسوم مذہبی جنکا رومن کیتھلک مسیحیوں میں رواج ہے وہ یا تو بجنسہٖ یا کچھ فرق کے ساتھ پرانے عہدنامہ کی کتابوں اور یہودیوں کی روایتوں سے لی گئی ہیں کیونکہ پرانا عہدنامہ بدھ مذہب سے پہلے موجود تھا اور اگر یہ شق منظور نہیں ہے تو یہ ماننے کہ مسیحیوں سے بدھ مذہب والوں نے ان رسومات کو سیکھا جو یہودی ریت و رسومات کو مانتے چلے آتے تھے۔ان دو حالتوں میں سے ایک کو ماننا لازم ہے۔اسی طور پر باقی چند رسوم مسیحیوں سے مخصوص ہیں مثلاً تثلیث فی التوحید۔بشپ۔ پریسبٹر ڈیکن وغیرہ۔

اگر بابو صاحب نے اس فہرست میں ہمکو یہ بتا دیا ہوتا کہ یہ رسوم جو رومن کیتھولک مسیحیوں اور بدھ مت والوں میں مشترک بتاتے ہیں آیا انکا فہوم بھی ایک ہی ہے یا دونوں مذہب والوں کا مفہوم مختلف ہے؟ اگر مختلف ہے تو مشابہت ظاہری ہے نہ کہ حقیقی اور ہماری رائے میں اس فہرست

میں کتنے امور ظاہری مشابہت رکھتے ہیں۔ مثلاً مسئلۂ توحید فی التثلیث کا مفہوم بدھ مذہب میں وہی نہیں مانا جاتا جو مسیحی مذہب میں ہے اور دیگر رسوم مثلاً صلیب کا نشان اور توبہ و بپتسمہ وغیرہ بھی وہی مفہوم نہیں رکھتے جو مسیحی مذہب میں رکھتے ہیں۔ یوں تو آریہ صاحبان کی نسبت بھی مسیحی کہہ سکتے ہیں کہ وہ بھی ایک تثلیث کے قائل ہیں مثلاً ایشور۔ جیو۔ پرماتو اور اُنہوں نے یہ تثلیث عیسائیوں سے سیکھ لی ہے۔

اسکے بعد ایک اور مشابہت خداوند مسیح اور مہاتما بدھ کے سوانح عمری میں بتائی جاتی ہے۔ مثلاً (۱) خداوند مسیح اور بدھ کا کنواری عورتوں سے پیدا ہونا (۲) ایک ستارہ کا دونوں کی پیدایش کے وقت طلوع ہونا اور عجیب و غریب شگونوں کا واقع ہونا (۳) بدھ کی پیدایش کے وقت اسیتا نامی رشی درشن کرنے کو آئے اور اسی طور پر مجوسی یروشلم میں خداوند کو دیکھنے آئے (۴) خداوند مسیح شیطان سے آزمائے گئے۔ بدھ بھی مارا سے آزمائے گئے (۵) دونوں کے بارہ بارہ چیلے تھے (۶) دونوں نے مذہب کی اشاعت میں ذات پات کا لحاظ نہ کیا۔

پہلی مشابہت کی نسبت ہمارا جواب یہ ہے کہ مہاتما بدھ

کا کنواری کے پیٹ سے پیدا ہونا خداوند مسیح سے بوجوہات ذیل مشابہت نہیں رکھتا (۱) کنواری سے پیدا ہونے میں اگر خداوند مسیح بُدھ کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں تو دیگر قدیم بہادروں اور رشیوں منیوں کے قصّے بھی ضرور خداوند مسیح اور بُدھ سے مشابہت رکھتے ہیں (۲) بُدھ کی والدہ زوجہ ہوکر اپنے شوہر کے ساتھ ۵۴ سال تک بے اولاد رہیں۔ پس وہ کنواری نہیں بلکہ بانجھ ٹھہریں (۳) بُدھوں کی اکثر مذہبی کتابوں میں کنواری سے پیدا ہونے کا ذکر نہیں ملتا۔ دیکھو لائٹ آف ایشیا اور لائٹ آف دی ورلڈ صفحہ ۱۱۴ (۴) بُدھ کی والدہ کی نسبت ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اُن سے کنوارے پن میں بُدھ کی پیدائش ہوئی اور کوئی ایسی روایت بھی نہیں جسکا پتہ مسیح کی پیدائش کے زمانہ کے قریب تک پہونچتا ہو۔ لائٹ آف ایشیا اور لائٹ آف دی ورلڈ صفحہ ۱۱۶۔

دُوسری مشابہت یعنی عجیب و غریب شگونوں کا واقع ہونا۔ عموماً ہر مذہب کے اوتاروں اور دیوتاؤں کی نسبت اس قسم کے قصّے ایجاد کئے گئے ہیں تاکہ اُنکا مرتبہ عام آدمیوں سے فوقیت پر دکھایا جاوے۔ رامچندر اور کرشن جی کی پیدائش کے حالات بھی عجیب و غریب بیان کئے گئے ہیں۔ بُدھ

کے عجیب و غریب شگون بھی آخری زمانہ کی ایجاد ہیں۔
دیکھو لائٹ آف ایشیا اینڈ لائٹ آف دی ورلڈ صفحہ ۱۰۱-۱۰۳

تیسری مشابہت۔ یہ قصہ بھی بُدھ کی فوقیت دکھانے کو ایجاد کیا گیا اور وہ اتفاقاً خداوند مسیح کے حال سے بظاہر مشابہ ہوگیا ورنہ دونوں بیانوں کے طرز میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ (۱) استیانے بُدھ کو محل میں آکر دیکھا لیکن مسیح کو شمعون نے ہیکل میں پایا (۲) بُدھ کو اسیتا نے عین پیدایش کے وقت دیکھا پر خداوند مسیح کو پیدایش کے کچھ دن بعد شمعون نے آکر دیکھا (۳) شمعون کو خدا کی رُوح نے ہدایت کی پر اسیتا کو آسمان میں دیوتاؤں نے آگاہ کیا جہاں وہ دن کی گرمی سے بیزار ہوکر تروتازہ ہونے گیا تھا (۴) شمعون نے رُوح کی ہدایت سے خداوند مسیح کا فوراً یقین کیا پر اسیتا نے جب تک کہ ۳۲ نشان بُدھ کے جسم پر نہ دیکھ لئے یقین نہ کیا۔

چوتھی مشابہت یعنی بُدھ کی آزمایش اور خداوند مسیح کی آزمایش۔ ان آزمایشوں میں ایک بیان نہایت سادہ ہے اور دُوسرا اسقدر مبالغہ سے پُر ہے کہ اُسکو ہمارے بابو صاحب بھی کسی طرح سے یقین نہ کرسکینگے۔ چنانچہ ناظرین کی دلچسپی کے لئے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:۔ جب مارا کو معلوم

ہوا کہ بدھ اپنے ارادہ میں مستقل ہے تو وہ اسکے سامنے ایک ہاتھی پر سوار ہوکر آیا جو دو ہزار چارسو میل بلند تھا۔ ایک راکشس کی شکل اختیار کرکے جسکے پانچسو سر ایک ہزار سرخ آنکھیں اور پانچسو آگ کے شعلہ کی زبانیں اور ایک ہزار ہاتھ تھے اور ہرایک ہاتھ میں ایک ہتھیار تھا جو دوسرے سے مشابہ نہ تھا اور نیز اسکے ساتھ نہایت ہی خوفناک بھوتوں کی پلٹن تھی۔ وہ پلٹن اسقدر بڑی تھی کہ بدھ کے ہر چہار طرف ایک سو چونسٹھ میل تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسکا وزن زمین سے بھی زیادہ تھا۔ پہلے مارا نے بدھ کے خلاف نہایت تیز آندھی کے جھونکے چلائے جس سے نہایت بڑے بڑے پہاڑ پاش پاش ہوگئے۔ اسکے بعد پانی کا طوفان بھیجا جسکا ایک ایک قطرہ تاڑ یا کھجور کے درخت کے برابر تھا۔ پھر اسکے بعد پہاڑوں اور چٹانوں کی جلتی ہوئی راکھ کی بوچھاڑ بھیجی۔ اسکے بعد ہرایک قسم کے تیز ہتھیاروں اور تلواروں اور برچھیوں کی بوچھار کی گئی۔ اسکے بعد جلتے ہوئے کویلوں کو برسایا۔ اسکے بعد جلتی راکھ برسائی۔ اسکے بعد جلتی ہوئی ریت۔ اسکے بعد ہر قسم کی جلتی ہوئی میل او نجاست۔ اسکے بعد ایسی تاریکی جو معمولی تاریکی سے چہارچند زیادہ تھی۔ لیکن آندھی نے اُسے ہلایا تک نہیں۔ پانی نے اُسکو زیادہ تازگی بخشی۔ جلتے ہوئے پہاڑ اُسکے لئے پھولوں کا ہار بن گئے اور

جلتے ہوئے کوئلے لعل بن گئے۔ جلتی ہوئی راکھ مثل صندل کے
خوشبودار ہوگئی اور جلتی ہوئی ریت مثل موتیوں کے بن گئی۔
اسکے بعد مارا اپنی تمام فوج و لشکر لیکر آیا جسکے آگے آگے
بڑے بڑے شیاطین اور بھوت تھے۔ لیکن اُن دونوں کے حملے
اسکو ہلا نہ سکے۔ مارا خود ایک خوفناک آواز سے للکارا کہ "میرے
تخت سے اُتر جا" لیکن بدھ کو ذرا خوف نہوا اور اُسنے یہ کہا
کہ "اس تخت کو حاصل کرنیکے لئے مینے دس نیکیوں کو زمانہ
کے چار بڑے بڑے دوروں سے زیادہ میں پورا کیا ہے اور
اب تو جس نے ایک نیکی بھی نہیں کی اُسے کیونکر حاصل کرسکتا
ہے؟ تب اُسنے اپنی خیرات کا شمار کیا جسکو اُسنے اپنی ایک
زندگی میں دیا تھا اور زمین کو اس امر کی شہادت ادا کرنے
کے لئے طلب کیا اور زمین نے بڑی خوفناک آواز سے اس
امر پر شہادت دی کہ میں تیری اس بات کے لئے گواہ ہوں
اور اسکی آواز ایسی خوفناک تھی کہ مارا اور اسکا لشکر شکست
کھاکر بھاگ گیا" (لائٹ آف ایشیا اینڈ لائٹ آف دی ورلڈ
صفحہ ۷۶)۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ فسانۂ عجائب کے طلسم کا
قلعہ بھی مارا کے قصّہ کے سامنے مات ہوگیا۔ ناظرین! وہ
غرض جس سے یہ قصّہ پیش کیا گیا ہے یہ ہے کہ اگر انجیل

کے مصنفوں نے بُدھ کی آزمایش کے حالات سیکھ کر مسیح کی آزمایش سے منسوب کردئے ہیں تو قیاس اس امر کا مقتضی ہے کہ انہوں نے مارا کے قصّہ سے کچھ بڑھ چڑھکر مسیح کی آزمایش کا حال لکھا ہوتا۔ اگر مارا ایک ایسے ہاتھی پر سوار ہوکر آیا جو دو ہزار میل سے بھی زیادہ بلند تھا تو حواری اسکے مقابلہ میں شیطان کو چار ہزار میل اونچے ہاتھی پر سوار کرکے بھیجتے۔ علیٰ ہذالقیاس دیگر اُمور میں بھی ایسا ہی کر دکھاتے۔ لہذا یہ امر بالکل خلافِ قیاس ہے کہ حواریوں نے بُدھ مذہب والوں سے اس آزمایش کے بیان کو سُنکر خداوند مسیح سے منسوب کردیا۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ بُدھ مذہب والوں نے انجیل کا بیان سُنکر اپنے اُستاد کی شان بڑھانے کی کوشش میں اسقدر مبالغہ آمیز بیان گڑھ لیا۔

علاوہ بریں خداوند مسیح کی تمام آزمایشیں روحانی تھیں پر بُدھ کی جسمانی۔ پھر اسی مندرجہ بالا آزمایش کے بارہ میں لکھا ہے کہ مارا کے تین بیٹوں نے مارا سے کہا کہ ایک دوسرے طریقہ سے اس شہزادے پر غالب آسکینگے اور انہوں نے اپنے تئیں خوبصورت عورتوں کی شکل میں تبدیل کردیا اور اُس درخت کے نیچے جہاں پر بُدھ بیٹھا ہوا تھا جاکر اُسکو ہر طرح سے پُھسلانے کی کوشش کی لیکن وہ بھی ناکامیاب رہے

جیساکہ بھوتوں کا لشکر ناکامیاب رہا تھا۔ اسکی نسبت یہ عرض کرتا ہے کہ اگر وہ دو آزمائشیں مذکورہ بالا قرین قیاس نہیں تو یہ بھی باطل ہے۔

پانچویں مشابہت کی نسبت یہ عرض ہے کہ یہ محض اتفاقی امر ہے۔ ہمارے خداوند کو بارہ شاگردوں کے انتخاب کے لئے بدھ سے سیکھنے کی ضرورت نظر نہیں آتی کیونکہ اسمیں کوئی خاص راز کی بات نہیں اور نہ کوئی خاص خوبی نظر آتی ہے کہ شاگردوں کی تعداد میں بدھ کی تقلید کی جاتی۔ اگر بارہ شاگرد چننے کی کوئی وجہ ہوسکتی ہے تو یہ ہوسکتی ہے کہ خداوند مسیح نے جو یہودی تھا یہودی فرقوں کے شمار کے مطابق بارہ رسول مقرر کئے۔ ممکن ہے کہ بدھ نے بھی کسی خاص وجہ سے بارہ چیلوں کو چنا ہو۔ لہذا صاف ظاہر ہے کہ ایک کو دوسرے کی تقلید یا مشابہت مقصود نہ تھی۔

چھٹی مشابہت کی خاص وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ خداوند مسیح کا مشن تمام دنیا کے لوگوں میں بادشاہت قائم کرنے کا تھا اور ممکن ہے کہ بدھ بھی ہندوؤں کی ذات پرستی سے متنفر ہوکر اپنا عام مشن قائم کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ بابو صاحب بھی اپنی انگریزی کتاب کے صفحہ ۸۶ میں فرماتے ہیں کہ بدھ کی عالی روح نے ذات پات کے کمینے اور قابل نفرت خیال سے

بغاوت کی اور پھر صفحہ ۵۷ میں بطور نتیجہ کے فرماتے ہیں کہ بُدھ مذہب اس مُلک کے ایک سرے سے دُوسرے سرے تک پھیل گیا۔

مشابہات کے خلاف ایک دلیل ترجموں کی عدم صحت ہے۔ چنانچہ ترجموں کی نسبت پروفیسر میکس مولر صاحب کا قول یہ ہے کہ "صحیح اور لفظی ترجمہ کا خیال مشرقی طبیعتوں میں بالکل اجنبی معلوم ہوتا ہے۔ مترجموں میں سے ایک مشہور اور نہایت قابل وقعت مترجم بُدھ گھوشا کی نسبت جو ۴۳۰ء میں موجود تھا یوں بیان کرتے ہیں کہ تواریخی نکتہ چینی کے روز روشن میں بُدھ گھوشا جیسے گواہ کا جادو یا دھوکا پژمردہ ہو جاتا ہے اور اسکا بیان بادشاہوں اور کونسلوں کی نسبت جو اسکے زمانہ سے آٹھ سو برس قبل کے ہیں حقیقت میں آرتھر کے قصّوں سے جو جافری مینمتہ نے لکھے ہیں یا اُن بیانات سے جو لیوی میں آدم کی نسبت ابتدائی زمانہ میں لکھے گئے ہیں زیادہ وقعت نہیں رکھتا (لائٹ آف ایشیا اینڈ لائٹ آف دی ورلڈ صفحہ ۳۵)۔

ایک اور دلیل مشابہات کے خلاف یہ ہے کہ بُدھ مت والوں کی دینی کتابیں جعلی اور مسیح کے زمانہ کے بعد کی ہیں۔ اس امر میں ہمارے تمام حوالجات لائٹ آف ایشیا اینڈ لائٹ

آف دی ورلڈ کے دوسرے باب میں پائے جاتے ہیں) چنانچہ تین مجموعات جنسے تری پٹاکہ بنایا گیا ہے اور جو فرداً فرداً ونایا پٹاکہ کہلاتے ہیں ان میں سے ونایا پٹاکہ تو مھنتوں کے درجوں کی نسبت ہے۔ سوتتا پٹاکہ عام لوگوں کے لئے ہے ابھیدیا پٹاکہ فلسفانہ ہے۔ ان میں سے ونایا کا ترجمہ مسٹر ایس ڈیوڈ اور پروفیسر اولڈن برگ نے کیا ہے اور وہ یوں فرماتے ہیں کہ بہت سے واقعات جو بُدھ کی نسبت بیان کئے گئے ہیں اور جو قوانین بنانے کی نسبت ہیں وہ محض بناوٹی صورت رکھتے ہیں۔

پھر مسٹر ایس ڈیوڈ فرماتے ہیں کہ نہایت قدیم اور معتبر قصّے جو بُدھ کی نسبت بیان کئے ہیں وہ مہاپرنی بانا سوتتا میں ملتے ہیں جو مسیح سے قبل چوتھی صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع کے ہیں لیکن وہ آگاہ کرتے ہیں کہ انکو بھی محض قیاس سے زیادہ وقعت نہیں دینا چاہئے یا اُنکی نسبت یہ کہنا چاہیئے کہ وہ گمانِ غالب کا درجہ رکھتے ہیں نہ کہ یقین کا۔

پھر اُنکے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان سوتتوں میں کسی میں بھی بُدھ کی زندگی کی نسبت کچھ بیان نہیں پایا جاتا لیکن اسکی موت کے متعلق واقعات کا تذکرہ پایا

جاتا ہے۔

پھر صاحبانِ موصوف یہ بھی فرماتے ہین کہ ان کتابوں سے جو بدھ مت والوں کی کتبِ مقدسہ ہین اُنکے مصنفوں کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ علاوہ اسکے مسٹر ڈیوڈ فرماتے ہیں کہ بدھ مت کی سب سے زیادہ ضروری سات سوتتوں میں سے جنکا بیان ہم کرچکے ہیں وہ بھی قابلِ اعتبار نہیں ہیں اور اگر وہ تمام سُوتتا چھاپے جاویں تو انکی اصلی تعلیم کی بابت یہ امتیاز کرنا غیر ممکن ہے کہ آیا وہ گوتم کی ہیں یا پیچھے اضافہ کی گئی ہیں یا اُنمیں کچھ ردّ و بدل کیا گیا ہے۔ اسی طرح سوتتا پٹیا جو تین پٹاکہ ہیں سے دُوسرا ہے جسے پروفیسر فاسبال نے دس جلدوں میں ترجمہ کیا ہے اور جو بہت قدیم ہے اسکی نسبت وہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص صحت کے ساتھ یہ نہیں بتا سکتا کہ کہانتک اسکی تعلیمات بُدھ کی ہیں اور کہانتک اُنمیں ملاوٹ ہوگئی ہے اور بُدھ کی زندگی کی نسبت مشکل سے کسیقدر بیان پایا جاتا ہے۔ ایک اور کتاب جو دھرم پد کہلاتی ہے اور نہایت معتبر سمجھی جاتی ہے اور جسمیں بدھ کی تعلیمات بیان کی گئی ہیں اور جو تری پٹاکہ کا دُوسرا حصہ ہے وہ بھی بدھ کی زندگی کی نسبت کچھ بیان نہیں کرتی یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب لکھی گئی اور اُسکو کس نے لکھا

دوسری کتابوں کی طرح غیر یقینی ہے۔

پروفیسر بیل جنھوں نے اسے چینی زبان سے ترجمہ کیا ہے فرماتے ہیں کہ چینی لوگ کہتے ہیں کہ ایک شخص دھرماترا نے اسے جمع کیا مگر یہ دھرماترا کس زمانہ میں تھا معلوم نہیں ہوتا۔

پروفیسر بیل اور میکس مولر دونوں صاحبان مسیح سے قبل ۵۰۰ میں اسکے متن کے جمع کئے جانیکا خیال رکھتے ہیں پروفیسر اولڈن برگ پالی زبان کے عالم فرماتے ہیں کہ بدھ مذہب کے اصل پالی متن میں بدھ کی زندگی و سوانح عمری کا مطلق ذکر نہیں ہے اور نہ کسی اگلی کتاب کا ذکر ملتا ہے جسمیں سوانح عمری مندرج ہوں۔

پھر ایک اور کتاب بنام جاتکا کو جسمیں بدھ کی پیدایش کا قصہ مندرج ہے مسٹر ریس ڈیوڈ نے پالی زبان سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اسمیں ایک تو اصل متن بدھ کی پیدایش کی نسبت ہے اور دوسری ایک تفسیر بدھ کی پیدایش کے قصوں کی بابت ہے۔ بدھ مذہب والے بیان کرتے ہیں کہ بدھ کی موت کے بعد یہ قصے جمع کئے گئے تھے لیکن مسٹر ریس ڈیوڈ فرماتے ہیں کہ انکا یہ بیان محض روایت پر مبنی ہے اور کہ بدھ مت والوں کا یہ بیان کہ انکی بہت سی

مقدس کتابیں بدھ کی موت کے بعد ہی لکھی گئی ہیں نہ فقط بے دلیل ہے بلکہ خود انکی مقدس کتابوں سے اسکی تکذیب ہوتی ہے۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ بدھ کی پیدایش کے قصے مسیح سے تین چارسو برس پیشتر لوگوں کو معلوم تھے۔ مگر انکے ایک حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت تک یہ قصے بدھ سے منسوب نہیں کیئے گئے تھے۔ لیکن تفسیر کی نسبت وہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ کسی نامعلوم مصنف کی لکھی ہوئی ہے اور اسکا بڑا حصہ پانچویں صدی مسیحی کے شروع میں لکھا گیا ہے یعنی بدھ کی موت کے ہزار برس بعد۔

پھر ایک نہایت مشہور کتاب میں بدھ کے قصے مفصل مندرج ہیں لیکن وہ پالی زبان کے شاستر سے علاقہ نہیں رکھتے بلکہ سنسکرت کی للت وستارا سے متعلق ہیں جو شمالی بدھ لوگوں کے نزدیک نہایت معتبر کتاب ہے اور نو کتابوں میں سے جو دھمتار کہلاتی ہیں آٹھویں کتاب ہے۔

اس کتاب کے بارے میں راجندرو لال متر فرماتے ہیں کہ اسکی تصنیف کی نسبت* ہمارے پاس کوئی صحیح تاریخ نہیں ہے لیکن فقط ایک نتیجہ ہے جو محض غیر کافی قیاس پر مبنی ہے۔ پھر وہی صاحب فرماتے ہیں کہ اسکا ایک چینی ترجمہ قریباً ۷۶ء کے بعد کیا گیا ہے۔

اسکی تائید ایک اور صاحب اسٹینس لاس جولین بھی کرتے ہیں لیکن جو کتاب للت و ستارا کے نام سے اسوقت مشہور تھی اب بھی وہی ہے یا نہیں اسکی نسبت کوئی شخص کچھ نہیں کہہ سکتا۔

مسٹر ایس ڈیوڈکسی ھوکاکس صاحب کے بارے میں جنکی رائی للت و ستارا کی نسبت یہ تھی کہ مسیح سے ایک صدی پہلے موجود تھی یوں فرماتے ہیں کہ اُنکا یہ خیال کسی شہادت پر مبنی نہیں ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ امر غیر یقینی ہے کہ للت و ستارا تبتی ترجمہ سے کسقدر قدیم ہے۔ اسکے بعد وہ اپنی آخری تصنیف میں فرماتے ہیں کہ اغلباً للت و ستارا نیپال میں تصنیف کی گئی ہے اور کسی بُدھسٹ شاعر نے لکھی ہے جو بُدھ کی موت کے بعد چھ سوسے ہزار برس کے عرصہ میں کسی وقت موجود تھا۔

پروفیسر اولڈن برگ اُس کتاب کے زمانہ کے نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ اسی زمانہ میں تصنیف ہوئی جب جعلی انجیلیں لکھی گئیں۔

ایک اور مشہور کتاب نودھتا میں سے شمالی بُدھوں کے اُسی سلسلہ میں چھٹی کتاب ہے جو سدھرما پنڈریکا یا سچّی شریت کا کنول ہے۔ اس کتاب کے مطابق بُدھ نہایت عظیم ہستی ہے

دنیا کا باپ اور از خود پیدا شدہ۔ وہ کبھی ثابت نہیں ہوا اور نہ ہوگا
پس بہت سے امور میں اس کتاب کی تعلیم ابتدائی پالی شاستر
کے بالکل برعکس ہے۔ پروفیسر کیرن صاحب ان دھموں کی
نسبت یہ رای ظاہر کرتے ہیں کہ ان نو دھموں میں مختلف زبانوں
کے حصے شامل ہیں اور مختلف چشموں سے نکلی ہیں۔ پھر اس
موجودہ کتاب زیر بحث کی نسبت فرماتے ہیں کہ انہیں مختلف
زبانوں کی تصنیفات جو آپس میں متفق نہیں ہیں جمع کی
گئی ہیں۔ ہم یہ بھی ثابت کر سکتے ہیں کہ انہیں بعض فقرے
قدیم ہیں اور بعض جدید۔ اس کتاب کے نہایت قدیم چینی
ترجمے سنہ ۲۶۵ء اور سنہ ۳۱۶ء کے درمیان میں ہوئے ہیں۔

پھر شمالی بدھوں کی ایک معتبر کتاب جسکا پادری ایس بل صاحب
جو اکسفورڈ میں چینی زبان کے پروفیسر تھے انگریزی میں ترجمہ
کیا ہے اور اسکا نام عجیب و غریب قصہ رکھا ہے۔ پروفیسر
صاحب موصوف کی رای میں یہ چینی ترجمہ سنہ [illegible] کا ہوگا
اور مذکورہ بالا سنسکرت کی کتاب کی نسبت جسکا یہ ترجمہ
ہے پروفیسر موصوف کی یہ رای ہے کہ وہ مسیح سے پہلے تین سو
برس میں کسی وقت تصنیف کی گئی ہوگی لیکن اس رای
کے خلاف ڈاکٹر لیٹل صاحب فرماتے ہیں کہ اس کتاب کے
قصے جو مسیح سے قبل کے بیان کئے جاتے ہیں انکی نسبت

یہ امر ثابت نہیں ہوسکتا کہ وہ سنہ ۴۰۰ء یا سنہ ۴۵۰ء سے قبل رائج تھے اور دیگر کتابوں کے قصّوں کی نسبت بھی انکی یہی رائے ہے۔

بُدھ مورخ مہانامہ جو سنہ ۴۵۹ء و سنہ ۴۷۷ء کے درمیان موجود تھا بیان کرتا ہے کہ بُدھ مذہب کی مقدس کتابیں ابتدا میں وتا گامنی بادشاہ کے عہد میں جو مسیح سے قبل ۱۰۴ و ۷۶ کے درمیان موجود تھا احاطۂ تحریر میں لائی گئی ہیں اور اگرچہ یہ بیان بالکل قطعی نہیں سمجھا جا سکتا ہے تو بھی پروفیسر میکس مولر صاحب دیگر لائق عالموں کے ساتھ اس بیان کو معتبر سمجھتے ہیں۔ مگر وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اسوقت انکی مذہبی کتابوں کے تحریر میں لائے جانیکا دعویٰ کوئی نہیں کرتا ہے۔ پروفیسر اولڈن برگ اس امر میں بہت احتیاط کرنیکی تاکید کرتے ہیں کہ اس امر کا خیال رہے کہ پالی متن کے بعض سب سے قدیم حصے جو اُنکے خیال میں قریباً بُدھ کے زمانہ سے متعلق ہیں وہ ایسی زبانی روایات ہیں جن پر کتابوں کا معتبر ہونا منحصر ہے اور جو صحیح طور پر ایک سے دوسرے کو نہیں دی گئی ہیں۔ اس امر کے بُدھ لوگ خود مقر ہیں کہ اس شاستر کو قریباً سنہ ۸۰ء قبل از مسیح لکھنے کا سبب یہ ہوا کہ مختلف غلط روایات اس کثرت سے زبانی روایتوں میں داخل ہوگئیں کہ انکا کتاب میں جمع کرنا

نہایت ضروری تھا تاکہ روایتوں میں بالکل خرابی واقع نہوجاوے سیلون کی تواریخ کا مصنف دیپاونسا یہانتک خرابیوں کا قائل ہے کہ بڑی کونسل کے شرکا نے جنکے وسیلہ سے کتابیں احاطۂ تحریر میں لائی گئیں خود ان کتابوں کو سابق سے زیادہ خراب کردیا۔

خلاصۂ دلائل مذکورہ بالا - چونکہ ہمنے اس امر کو بخوبی ثابت کردیا ہے کہ بُدھ مذہب کی دینی کتابیں کئی وجوہ سے قابل اعتبار نہیں ہیں لہذا ہم خلاصہ کے طور پر یہاں درج کرتے ہیں تاکہ ناظرین بآسانی اس خلاصہ کو اپنے حافظہ میں رکھ سکیں :- (۱) انکے ترجمے بقول پروفیسر میکس مولر صاحب جعفر زٹلی کے قصوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے (۲) بُدھ کے سوانح عمری کے متعلق ربس ڈیوڈ صاحب فرماتے ہیں کہ نہایت قدیم اور معتبر جو مسیح سے قبل تیسری چوتھی صدی کے ہیں وہ بھی یقین کا درجہ نہیں رکھتے اور اُن میں بُدھ کی زندگی کے متعلق کچھ نہیں ملتا۔ فقط اُسکی موت کا ذکر پایا جاتا ہے۔ پس ممکن ہے کہ بُدھ کی زندگی کے قصے جعلی اور بناوٹی ہوں (۳) انکی سات سو تیتا کتابوں کے مصنفوں کا پتہ نہیں لگتا اور یہ امر بہت مشکوک ہے کہ وہ بُدھ کی تصنیف ہیں یا بعد میں اضافہ کے طور پر لکھی گئیں - کچھ عجب نہیں کہ مسیح کی چند باتیں

مسیحیوں سے سُنکر اُنہیں بُدھ کے حق میں مبالغہ کے ساتھ بڑھائی گئی ہوں۔ (۴) اسی قسم کا بیان اُنکی دیگر مشہور کتابوں سوتّا پٹایا میں جو تین پٹاکہ میں سے ہیں ملتا ہے اور وہ بھی قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ بُدھ کی زندگی کی نسبت انہیں کچھ نہیں پایا جاتا۔ (۵) دھرم پد جسکا حوالہ ہمارے بابو صاحب نے دیا ہے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کب لکھی گئی اور اُسے کِسنے لکھا۔ اُسمیں بھی بُدھ کی زندگی کا پتہ نہیں لگتا۔ (۶) پروفیسر اولڈن برگ جو پالی زبان کے عالم ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اصلی پالی متن میں بُدھ کے سوانح عمری کا مطلق ذکر نہیں ملتا اور نہ اُنمیں کسی اگلی کتاب کا ذکر ہے جسمیں بُدھ کے سوانح عمری کا ذکر ہو (۷) ایک اور کتاب جاٹکا اور خصوصاً اُسکی تفسیر کی نسبت ایس ڈیوڈ صاحب فرماتے ہیں کہ اُسکے مصنّف کا پتہ نہیں اور وہ مسیح کے بعد پانچویں صدی میں لکھی گئی ہے (۸) للت وستارا کی نسبت ایس ڈیوڈ صاحب فرماتے ہیں کہ کسی شاعر ساکنِ نیپال کی لکھی ہوئی ہے اور وہ مصنّف بُدھ کی موت کے بعد چھ سو سے لیکر ہزار برس کے عرصہ میں کسی وقت موجود تھا۔ بابو صاحب! کیا ان کتابوں میں مسیحیوں سے سیکھ کر بہت سی باتوں کو ملا لینے کا امکان نہ تھا؟ پھر جب بُدھ کے سوانح عمری ہی موجود نہیں تو مسیح کی پیدایش کے حالات کو بُدھ کے سوانح عمری

سے مشابہ بیان کرنا صریح خبط نہیں تو اور کیا ہے؟ (۹) پھر پروفیسر
اولڈن برگ فرماتے ہیں کہ جتنے قصے بدھ کی زندگی کی نسبت
ملتے ہیں وہ پالی متن میں موجود نہیں ضرور بعد کو لکھے گئے ہیں
ناظرین! جب مذکورہ بالا یوروپین مصنفین میں سے جو
بدھ مذہب سے بخوبی واقفیت رکھتے ہیں ایک بھی یہ نہیں
لکھتا کہ بدھ کے سوانح عمری کسی اصلی اور معتبر کتاب میں
مندرج ہیں تو قیاس خواہ نخواہ یہ چاہتا ہے کہ اگر بدھ
کی زندگی اور مسیح کی زندگی میں کسی جگہ مشابہت ہو تو
ضرور وہ مسیحی مذہب سے لی گئی ہے۔ چنانچہ ہم اسکے
ثبوت میں اسی کتاب لائٹ آف ایشیا اینڈ لائٹ آف
دی ورلڈ کے صفحہ ۱۵۹ سے بابو صاحب اور ناظرین کی
دلچسپی کے لئے ترجمہ کرکے پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ یوں
مرقوم ہے کہ یہ امر واقعات کی بنا پر نہایت ہی مناسب
معلوم ہوتا ہے کہ بدھ کے سوانح عمری کے قصوں میں
مسیحی مذہب کے عنصروں کے داخل ہونیکا موقع تھا۔
اسکے متعلق پہلا واقعہ جو لحاظ کے لائق ہے وہ ہندوستان
میں سریانی کلیسیا کی موجودگی ہے اور وہ اس زمانہ سے
قبل کی ہے جسمیں بدھ کے قصوں کی موجودہ صورت
کی صحیح تاریخ ٹھہرائی جاسکتی ہے۔ خواہ ہم سریانی کلیسیا

کا ہندوستان میں تھوما رسول سے قائم کیا جانا مانیں جو
متفقہ روایت پر مبنی ہے یا زمانۂ موجودہ کے معترضوں
کے اعتراضوں کی بنیاد پر اس امر کو مانیں کہ تھوما سریانی
کلیسیا کا تھوما تھا جو تیسری صدی عیسوی کا ہے۔ اس سے
ہماری دلیل پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ بدھ کے قصے
جدید سے جدید انجیل سے بھی قبل کے ثابت نہیں ہوتے۔

پھر ایک اور امر جو اس سوال سے علاقہ رکھتا ہے
وہ نسطورین کلیسیا کی بڑی مشنری بیداری ہے جو سنہ عیسوی
کی چھٹی اور ساتویں صدی میں واقع ہوئی اور یہ نسطورین
کلیسیا کا بہت بڑا کام اس زمانہ میں چین کے مشرق میں
پہنچ گیا تھا اور بہت سے مشنری اس امر کی شہادت دیتے
ہیں کہ چین میں ایک کتاب یا نوشتہ موجود ہے جس میں
یوں مرقوم ہے کہ ایک مشنری الوپن نامی نے ۶۳۶ء
میں وہاں پر انجیل کی منادی کی۔

پھر ایک اور دلیل اس امر سے پیدا ہوتی ہے کہ
ساتویں صدی میں نسطورین بزرگ سالی برک نے سمرقند
اور چین میں بشپوں کو مقرر کیا اور ان بشپوں کے مقرر
کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایشیا کے ان حصوں
میں مسیحیوں کی بہت بڑی جماعتیں اس زمانہ سے پہلے قائم

ہوچکی تھیں۔

واضح رہے کہ للت وستارا میں بدھ کے سوانح عمری کے متعلق قصے پائے جاتے ہیں لیکن یہ کتاب اپنی موجودہ صورت میں نسطورین بیداری سے قدیمتر نہیں ہے بلکہ سریانی کلیسا جو ملایا میں ہے اس کتاب سے زیادہ قدیم ہے۔ جن بیانوں پر یہ بیانات مبنی ہیں وہ لائٹ آف ایشیا اینڈ لائیٹ آف دی ورلڈ کے حاشیہ پر مندرج ہیں چنانچہ ہم دو کتابوں کا حوالہ اُن حواشی سے یہاں درج کرتے ہیں موشیم صاحب کی کتاب دینی تواریخ جلد پہلی صفحہ ۱۴۱ اور اسمتھ صاحب کے درمیانی زمانہ کے مشنوں کے بیان میں صفحہ ۲۰۵ سے ۲۰۹ تک۔ باقی کتابوں کے حوالے مذکورہ بالا کتاب میں موجود ہیں۔

معزز ناظرین! ہم نے بابو گنگا پرشاد صاحب کی ان دو باتوں کا جواب کامل طور پر لکھدیا جنہیں انھوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہودیوں نے چند مسائل اور تعلیمات کو پارسیوں سے سیکھا تھا مگر ہمنے اپنے جواب میں نہ صرف یہی ثابت کیا کہ یہودیوں نے پارسیوں سے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی بلکہ برعکس اسکے یہ ثابت کردیا کہ یہودی مذہب کا پہلا نبی موسیٰ بھی زرتشت سے قریباً پانچسو برس پیشتر

موجود تھا اور اسلئے ممکن نہیں کہ یہودیوں نے پارسیوں سے سیکھا۔

پھر بابو صاحب کا دوسرا دعویٰ یہ تھا کہ مسیحیوں نے بدھ مت والوں سے چند باتیں حاصل کیں۔ یہانتک کہ اسینیوں میں تو بدھ مذہب کے احکام خانگی کہاوتیں بن گئے تھے اور مسیحیت اسینی مذہب سے بہت کچھ رنگی گئی تھی اور یوحنّا اصطباغی اسینی تھا اور یوحنّا سے خداوند مسیح نے سیکھا۔ پس مسیحیت نے جزءً بدھ مذہب سے سیکھا۔ مگر ناظرین کے سامنے اب یہ امر ثابت کیا گیا کہ اسینی مذہب نہ تو بدھ مذہب تھا اور نہ بدھ مذہب کی تعلیم نے یہودی مذہب پر کچھ تاثیر کی لیکن مزیدبراں جیسا کہ ہم اوپر ثابت کرآئے ہیں ہم اپنے دعوے کی تائید میں ایک نہایت جدید تحقیقات سے بھی جو ہیسٹینگز این سائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس نے کی ہے اور جو اب تک اختتام کو نہیں پہنچی ذیل کا اقتباس پیش کرتے ہیں تاکہ ہمارے بابو صاحب اور ناظرین کو جدید سے جدید تحقیقات سے بھی اس امر میں کوئی عذر باقی نہ رہ جائے (دیکھو صفحہ ۴۰۰ ردیف ای یعنی اسینی فرقہ کا بیان)۔

"اِن باتوں کے ثابت کرنیکی اب کوئی ضرورت نہیں

کہ نہ یسوع اسینی ہے اور نہ قدیم مسیحی مذہب میں کوئی اسینی تاثیر نظر آتی ہے۔ اُن غلطیوں میں بھی جنکی تردید فلسیوں کے خط میں کی گئی ہے کسی خاص اسینی رنگ کا پانا محال ہے۔ صرف رسولوں کے زمانہ کے بعد کی غیر معتبر روایتوں سے ایسا گمان ہوتا ہے کہ ان بیشمار فرقوں میں جو یروشلم کی بربادی کے بعد مشرقی مسیحی مذہب میں پیدا ہوگئے تھے کہیں کہیں اسینی خیال کے لوگ پائے جاتے تھے اور اگر ہم ربّیوں کی تصانیف کی جگہ زیادہ تر اُس زمانہ کے یہودی مذہب پر غور کریں تو دیکھینگے کہ یہ اسینی بہت کچھ گمنامی کی حالت میں تھے"

اب اس جدید تحقیقات سے بھی یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ قدیم مسیحیت میں کچھ بھی اسینی تاثیر ہوئی بلکہ عرصۂ دراز کے بعد غیر معتبر روایتوں سے ایسا گمان ہوتا ہے کہ کہیں کہیں اسینی خیال کے لوگ پائے جاتے تھے یعنی بہت سے مسیحی فرقوں میں سے کسی کسی فرقہ میں خال خال اس خیال کے لوگ تھے۔

پس بابو صاحب کے اس دعوے کی یہ نقلی دلیل کہاں رہی کہ یوحنا اسینی تھا اور خداوند مسیح نے یوحنا سے اسینی تعلیم حاصل کی؟ ناظرین اس بات کو بھی یاد رکھیں

کہ بابو صاحب نے جو دعوے کئے اور اُن دعووں کی تائید
میں جن مصنفوں کو پیش کیا وہ پُرانے زمانہ کے اشخاص
ہیں اور خصوصاً اُنکی تحقیقات بھی ادھوری تھی کیونکہ
تحقیقات کے سامان میں دِن بدن آسانی ہوتی جاتی ہے
اور علم اور عقل میں بھی افزایش ہونے کے باعث سے
نئی تحقیقات میں ترقی ہوتی جاتی ہے لیکن ہمارا دعوی
باوجود اس قسم کی تحقیقات کے چٹان کی طرح قائم ہے کیونکہ
مصنفوں کی تحقیقات اس امر میں محض قیاسات پر مبنی
ہے جنمیں اکثر تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں لہذا منطقی اصول
سے تاوقتیکہ کسی ایسے صحیح نتیجہ پر نہ پہنچیں جس پر پہنچکر
آئیندہ تحقیقات کا دروازہ بند ہوجاوے بابو صاحب کا یہ
دعوی کہ مسیحی مذہب جزئًا بدھ مذہب پر مبنی ہے سراسر بےبنیاد
ہے جیساکہ مختلف شہادتوں اور تحقیقات کے رُو سے ہمنے
ثابت کردیا۔

علاوہ بریں بابو صاحب نے اس امر کو بھی ثابت نہیں
کیا کہ اسینی فرقہ بُدھ مذہب سے نکلا۔ صرف دو چار شخصوں
کے خیالات اور قیاسات پیش کئے اور ہم نے بھی اُسی قسم
کی دو چار شہادتیں پیش کرکے دِکھا دیا کہ اسینی مذہب بُدھ
مذہب سے نہیں نکلا اور کہیں کہیں اسینی خیال کے لوگ

مسیح کے زمانہ سے کچھ عرصہ بعد مسیحیوں میں پائے بھی گئے ہوں تو وہ بُدھ مذہب سے کیا علاقہ رکھتے ہیں؟ برعکس اسکے ہمنے این سائیکلوپیڈیا برٹینیکا اور دیگر مصنفوں کے بیان سے دکھادیا کہ اسینی فرقہ پر بُدھ مذہب کی تاثیر کا کچھ ثبوت نہیں ملتا اور خصوصاً مسیح کے زمانہ میں مسیحیت پر اسینی مذہب کی تاثیر کے خیال کی جدید سے جدید تحقیقات سے بھی تردید کی گئی ہے۔ پس بابو صاحب کا دعویٰ محض قیاسی ڈھکوسلوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

اب ہم بابو صاحب کے اُس دعوے پر بھی مختصراً غور کرینگے جنمیں آپ فرماتے ہیں کہ پارسی مذہب ویدک مذہب پر مبنی ہے۔

جدید تحقیقات جو این سائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے عالموں کی طرف سے کی گئی ہے وہ یہ بتلاتی ہے کہ آریہ مذہب اور پارسی مذہب ایک ہی جماعتی مذہب تھا جیساکہ جلد ۲۸ صفحہ ۱۰۴۱ میں مرقوم ہے۔ "زرتشت نے نیا مذہب سکھلایا لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جو کچھ اُسنے سکھلایا وہ کُل اُسکے دماغ کا نتیجہ تھا۔ اُسکی تعلیمات۔قدیم ایرانی یا آریہ جماعتی مذہب پر مبنی تھیں جسکی نسبت ہم نزدیکی تصویر ویدوں کے مذہب سے ساتھ مقابلہ کرنے سے کھینچ سکتے ہیں۔"

اس سے صاف ثابت ہے کہ ایرانی یا پارسی مذہب اور آریہ مذہب کسی وقت میں ایک ہی جماعتی مذہب تھا مگر کچھ عرصہ بعد دو جُدا جُدا مذہب ہو گئے۔

اب ہم اپنے دعوے کی تائید میں جو این سائیکلوپیڈیا برٹینیکا پر مبنی ہے آپ کی تسلی کے لئے دُوسری دلیل بھی پیش کرنا چاہتے ہیں اور وہ دُوسری جدید تحقیقات ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ سے پیش کی جاتی ہے۔ چنانچہ اسمیں یوں مرقوم ہے کہ میدو پرشین کی بنیاد و نسل کے بارے میں اُسکے سوا جو ہندوستانیوں کی بنیاد و نسل کے بارے میں کہا گیا ہے اور کچھ زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ ضرور ہے کہ کوئی ایسا زمانہ یا وقت ہوا ہوگا (اغلب ہے کہ نسبتاً بہت ہی قدیم زمانہ) جبکہ ہندوستانیوں اور اہلِ فارس کے آبا و اجداد نے ایک مجموعی نو آبادی قائم کی اور اُنکا قیام معقول طور پر کہیں نہ کہیں اس قطع زمین پر ہوا جو بعدازاں بیکٹریا کے نام سے نامزد ہوئی۔ وہاں سے ایک گروہ جنوب مشرق یعنی ہندوستان کو چلا گیا اور دُوسرا جنوب مغرب کی مسطح زمین کے پار ایران کو گیا (صفحہ ۳۴۷ جلد ۲)۔

اب ہم تیسری دلیل آپ کی کتاب سے پیش کرتے ہیں۔

آپ نے اسکو رد کیا ہے مگر مخالف رای والے اسکو قبول
کرنے میں اختیار رکھتے ہیں۔ ناظرین کو معلوم رہے کہ اس
مصنف کی رای سے آپ جابجا اپنے مطلب کے لئے اقتباس
کرتے ہیں اور ہم کو بھی آپ کی اس طرزِ استدلال میں حجت
نہیں ہے مگر اس جگہ آپ نے اپنے دعوے کے خلاف پاکر
اسکی رای کو ترک کردیا ہے۔ ہمارے خیال میں بابو صاحب
کو واجب تھا کہ اس مصنف کے دعوے اور دلائل کو پیش
کرکے اس کی دلائل کی تردید کرتے اور اگر خود نہ کرسکتے
تو کسی اور محقق سے کرا دیتے تاکہ ناظرین کو زیادہ روشنی
ملتی اور آپ کا دعویٰ کچھ وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا کیونکہ
یہ مصنف ڈارمیسٹیٹر جسنے ژند اوستہ کا ترجمہ کیا ہے اس قابل
ہے کہ اسکی دلائل پبلک کے روبرو پیش کی جائیں اور اگر
اسکی رای کو قبول نہیں کرتے تو اس کی تردید کیجائے مگر
بابو صاحب نے کسی مصلحت سے ایسا نہیں کیا۔ لیکن دیگر
فکر و غور کرنیوالے صاحبان ضرور آپ کے دعوے کو کمزوری
پر محمول کرینگے۔ آپ اپنے اس مضمون کی ابتدا میں جسمیں
آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ پارسی مذہب ویدک مذہب پر قائم
ہے تین اصول قرار دئے ہیں۔

(۱) یہ کہ وید کی زبان اور مذہب ژند اوستہ سے نہیں نکلے ہیں۔

(۲) یہ کہ ویدکی زبان اور مذہب اور نیز ژند اوستہ کی زبان اور مذہب ایک مشترک چشمہ سے نکلے ہیں (جسکو این سائیکلوپیڈیا برٹینیکا جماعتی مذہب سے نامزد کرتی ہے) اور دونوں کسی قدیم مذہب اور زبان سے نکلے ہیں جواب معدوم ہو گیا ہے۔

(۳) یہ کہ ژند اوستہ کی زبان اور مذہب ویدک زبان سے نکلے ہیں۔ لیکن بابو صاحب اس تیسرے اصول کو مان کر دعویٰ کرتے ہیں کہ پارسی مذہب ویدک مذہب پر مبنی ہے مگر کوئی دلیل پیش نہیں کرتے۔ تو بھی ہم شکرگزار ہیں کہ آپ نے طالبانِ حق پر اتنی عنایت تو کی کہ تیسرے اصول کو مانتے ہوئے ڈاکٹر ہیسٹنگز کی رای سے اقتباس کیا اگرچہ اُسکی دلائل پیش نہیں کیں۔ چنانچہ آپ صفحہ ۴۷ پر یوں فرماتے ہیں:
"ڈاکٹر ہیسٹنگز اپنے ژند اوستہ کے ترجمہ میں کئی ایک مصنفوں کا حوالہ دیتے ہیں جو اصول (۳) کو مانتے ہیں مگر وہ خود یعنی ڈاکٹر ہیسٹنگز اصول (۲) کو قبول کرتے ہیں"؛

ناظرین اس سے صاف ظاہر ہے کہ ڈاکٹر ہیسٹنگز جب اور محققوں کی رای سے اقتباس نہیں کرتا تو کیا وہ بلا دلیل دیگر محققین سے اختلاف کرتا ہے۔ یہ ناممکن سا معلوم ہوتا ہے۔ پس ضرور وہ اپنی اختلافِ رای کے لئے وجوہات رکھتا ہوگا۔ ہماری اس دلیل کو بابو صاحب ہماری آنکھوں سے

پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں۔

لیکن آپ خود ہی اپنی کتاب سرچشمۂ مذاہب کے اردو ترجمہ صفحہ ۱۶۵ میں ۱۲ مشابہات آریوں اور پارسیوں کے مذاہب اور زبان کی نسبت پیش کرنے کے بعد خلاصہ کے طور پر یوں فرماتے ہیں کہ "ہم دکھا چکے ہیں کہ زردشتیوں کے مسائل اور رسوم میں تعجب انگیز مشابہت ہے اور ہم یہ بھی دکھا چکے ہیں کہ ژند اوستہ کی زبان اور اوزان تک ویدوں کی زبان اور اوزان سے بہت نزدیکی تعلق رکھتے ہیں۔ علاوہ بریں یہ بھی دکھایا جا چکا ہے کہ قدیم زمانہ میں دونوں مذاہب کے پیرو اپنے آپ کو ایک ہی نام یعنی آریہ سے پکارتے تھے۔ اب کیا کوئی ایک لمحہ کے لئے بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ تمام مشابہات اور مطابقتیں اتفاقیہ ہیں؟ یہ بات نہ اب تک کبھی کہی گئی اور نہ آئندہ کہی جائیگی۔"

ہمارے خیال میں یہ خلاصہ جو آپ نے ۱۲ مشابہات کے بعد لکھا ہے خود ہی ایک دلیل ہے جو ہمارے مذکورہ بالا اقتباسوں کی جو ہمنے این سائیکلو پیڈیا برٹینیکا اور سٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ سے کئے ہیں پوری تائید کرتی ہے کیونکہ یہ گہری مشابہات جنکو آپ نے آریوں اور پارسیوں

کے درمیان دکھایا ہے۔ آپ کے قول کے مطابق. ہرگز اتفاقی نہیں ہوسکتیں بلکہ این سائیکلوپیڈیا برٹینیکا کی زبان میں ایک قدیم ایرانی یا آریہ جماعتی مذہب پر مبنی ہیں۔

اِن بڑے بڑے مذہبی مسائل کی گہری مطابقت کے علاوہ جس حال کہ ژند اوستہ کی زبان اور اوزان تک ویدوں کی زبان اور اوزان سے بہت نزدیکی تعلّق رکھتے ہیں تو ہمارے خیال میں ہسٹوریینس ہسٹری آف دی ورلڈ کا بھی یہ خیال زیادہ راست معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا زمانہ ہُوا ہوگا (اغلب ہے کہ بہت قدیم زمانہ ہو) جب کہ ہندوستانیوں اور اہلِ فارس کے آباؤ اجداد نے ایک مجموعی نو آبادی قائم کی (اغلب ہے کہ اُس وقت اُنکا ایک ہی مذہب ہو اور ایک ہی بولی بولتے ہوں۔مصنف)۔ اسی واسطے اُنکے مذاہب اور زبانوں میں بہت نزدیکی باہمی تعلّق ہے اور جو اختلاف پڑ گیا ہے اُسکا سبب ظاہر ہے کہ اُنہیں سے ایک گروہ جنوب مشرق یعنی ہندوستان کو چلا آیا اور دُوسرا جنوب مغرب کی سطح زمین کے پار ایران کو گیا اور یہی وجہ ہے کہ دونوں فرقے قدیم زمانہ میں جب اکٹھے رہتے تھے اپنے آپ کو آریہ کہتے تھے۔ پس بابو صاحب ہ "تعجب انگیز مشابہت" کی مشکل صرف اسی طریق سے

حل ہوتی ہے جو جدید تحقیقات کرنے والوں نے اختیار کیا ہے ورنہ اسکا حل بھی "تعجب انگیز" ہی رہے گا۔

بابو صاحب نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہ وید اوستہ سے قدیمتر ہیں دو قسم کی دلائل سے کام لیا ہے جو دراصل ایک ہی قسم کی ہیں۔ آپ اپنی پہلی قسم کی دلیل میں یہ دکھلاتے ہیں کہ چند شخصوں کے نام جنکا ذکر زرتشتی گاتھاؤں میں ہے (جو ژند اوستہ کے سب سے پرانے حصّے ہیں) ویدوں میں اور خاصکر اتھروان وید میں پائے جاتے ہیں اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ نام ویدوں میں سے لئے گئے ہیں کیونکہ بابو صاحب کے خیال میں وید ژند اوستہ سے زیادہ قدیمی ہیں۔ لیکن اگر ہم این سائیکلوپیڈیا برٹینیکا اور ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ کے ساتھ یہ مانیں کہ پارسیوں کی گاتھاؤں سے قدیمتر الہامی روایات اور وید کسی زمانۂ قدیم میں ایک ہی مجموعہ تھا اور جب یہ لوگ باہم جُدا ہوگئے تو مجموعہ میں بھی جُدائی ہوگئی اور چونکہ ابتدا میں یہ ایکہی قوم کا مذہب یا جماعتی مذہب تھا اسلئے متعدد نام اور مذہبی تعلیمات و رسوم دونوں میں مشترک موجود ہیں۔ لہذا یہ مشابہات "تعجب انگیز" نہیں ہیں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ

ویدوں سے پارسیوں نے لے لیا یا ویدوں سے گکانتھاؤں نے لے لیا۔

آپ کی دوسری دلیل اس امر پر مبنی ہے کہ چند شہروں اور دریاؤں کے نام فارس اور ہندوستان میں مشترک ہیں چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ جب پارسی ہندوستان سے فارس میں آباد ہونے کو چلے گئے تو وہاں جاکر ذراسی حرفوں کی تبدیلی کے ساتھ اُنہوں نے ان ناموں کو فارسی شہروں اور دریاؤں کے لئے استعمال کیا۔ مثلاً فرات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ لفظ بھارت سے لیا گیا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ لیا گیا ہے یا نہیں لیکن بابو صاحب! اگر کوئی کہے کہ آریہ فارس یا اُسکے پاس کے ملکوں سے آکر ہندوستان میں آباد ہوئے جیساکہ زمانۂ حال کی یوروپین تحقیقات سے صاف ظاہر ہے اور اسلئے اُنہوں نے ہندوستان میں آکر ذراسی حرفوں کی تبدیلی کے ساتھ شہروں اور دریاؤں کے نام رکھ دئے تو آپ اسکا کیا جواب دینگے؟ جب تک یہ خیال قائم ہے کہ آریا وسطِ ایشیایا بیکٹریایا ایران سے آکر ہندوستان میں آباد ہوئے تب تک آپ کی اور آپ کے ہم خیالوں کی منطق ناقص ہے۔

ہماری چوتھی دلیل بھی سرچشمۂ مذاہب پر مبنی ہے۔ چنانچہ ہم

سرچشمۂ مذاہب کے اُردو ترجمہ صفحہ ۱۷۷ سے ایک پارسی عالم خورشید جی کی رای سے چند فقرے اپنے دعوے کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ جناب بابو صاحب خود ہی فرماتے ہیں کہ "ویدک اور زرتشتی مذاہب کے ابتدائی اتحاد پر ایک پارسی مصنف کی رای کو درج کرنے کے بعد ہم اس بات کو ختم کرینگے۔" اب سُنئے وہ پارسی صاحب کیا فرماتے ہیں:۔

"خالص ویدک دھرم اور خالص زرتشتی مذہب ایک ہی ہیں۔ دینِ زرتشتی اُن خرابیوں اور توہمات کے خلاف اصلاحی بغاوت کی شکل میں ظاہر ہوا جنھوں نے ویدک صداقتوں پر پردہ ڈال دیا تھا اور جنھوں نے پروہت منڈلی اور مطلق العنان بادشاہوں کی مقصد براری کے لئے خالص مذہب کی جگہ چھین لی تھی۔ ست زرتشت نے دُور دراز کے قدیم زمانہ میں وہی کام کیا جو مہاتما بدھ نے اُنکے بعد کیا۔"

پارسی صاحب کا بیان ہمارے دعوے کی پوری پوری تائید کرتا ہے۔ ناظرین فقرات مندرجہ ذیل پر غور فرمائیں۔ (۱) یہ کہ خالص ویدک دھرم اور خالص زرتشتی مذہب ایک ہی ہیں (۲) یہ کہ زرتشت صاحب ویدک دھرم کے قدیم زمانہ میں محض مصلح تھے جیساکہ مہاتما بدھ پچھلے زمانہ میں۔ اِن فقرات و الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ دونوں

مذاہب زمانۂ قدیم میں ایک ہی جماعتی مذہب تھے اور زردشت
نے اپنے قدیم مذہب کی جو جماعتی مذہب تھا اصلاح کی۔
پس صاف ثابت ہوا کہ گاتھائیں یا اُنکے متعلق قدیم
روایات اور وید دونوں کسی زمانۂ قدیم میں ایک ہی مجموعہ
تھا اور بعد کو یہ مجموعہ جماعت کی باہمی جُدائی کے باعث
سے کسی قدر مختلف ہوگیا اور زبان میں بھی رفتہ رفتہ اختلاف
پڑ گیا لیکن چونکہ ابتدا میں ایک ہی قوم کا مذہب یا جماعتی
مذہب تھا اسلئے مشترک مذہبی خیالات اور نام اور الفاظ
اب تک دونوں مذاہب میں باقی ہیں اور اس سے
ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زرتشتی دین ویدک دھرم کے
بعد پیدا ہُوا اور اُسی پر مبنی ہے بلکہ اس سے بابو صاحب
کے بیباکانہ و لغو دعوے کی کامل طور سے تکذیب و تردید
ہوتی ہے۔

تمت

ردِّ تناسخ و مسیح کے وسیلہ کی ضرورت

مصنفہٗ

پادری جے۔ میکلین پاسٹر ہنٹن پوری چرچ

جسمیں

دنیا کی قدامت۔ مادّہ۔ ارواحِ انسانی

اور خدا کی قدامت پر بحث ہے

اہلِ انصاف کے مطالعہ اور غور

و فکر کے لائق ہے۔ خرید کر

ضرور ملاحظہ کیجیے